مرکز احیاء الفکر الاسلامی کا دینی، دعوتی، علمی، ادبی، تحقیقی، فکری اور اصلاحی ترجمان

ماہنا

نقوش اسلام

Issue.No.5 | جولائی ۲۰۰۶ء......(JULY,2006)......جمادی الثانی ۱۴۲۷ھ | VOL.No.1

☆-زیر-☆ سرپرستی

مفکر ملت حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

ولی مرتاض حضرت مولانا سید مکرم حسین سنسارپوری

عارف باللہ حضرت مولانا مفتی عبدالقیوم رائے پوری

مجلس مشاورت

☆ مولانا سید الرحمٰن اعظمی ندوی ☆ مولانا محمد عامر صدیقی ندوی ☆ مولانا محمد اختر قاسمی

☆ مولانا سید واضح رشید حسنی ندوی ☆ مولانا محمد صالح جی ☆ الحاج موسیٰ بھائی درسوت

☆ مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی ☆ مولانا حافظ محمد ایوب کاڑوا ☆ مولانا محمد عمر قاسمی

مجلس ادارت

مولانا سید محمود حسن حسنی ندوی ✿ مولانا نظام الدین ندوی

مولانا محمد طاہر قاسمی ✿ مولانا محمد ساجد عزیزی

چیف ایڈیٹر: محمد مسعود عزیزی ندوی

سب ایڈیٹر: محمد ارشد فیضی

مدیر انتظامی: حافظ عبدالستار عزیزی

مدیر معاون: ڈاکٹر مرغوب عالم عزیزی

شرح خریداری

ہندوستان کے لیے

فی شمارہ.......................۱۰/روپے

سالانہ.......................۱۰۰/روپے

خصوصی ۳۰۰۰/روپے

ایشیائی، یورپی افریقی وامریکی ممالک کے لیے ۲۰/ڈالر

ترسیل زر اور خط وکتابت کا پتہ

NUQOOSH-E-ISLAM
MUZAFFARABAD.SAHARANPUR.247129
(U.P)INDIA.Ph.0132.2775452.Cell.09719831058

نقوش اسلام، مرکز احیاء الفکر الاسلامی، مظفر آباد، سہارنپور (یوپی) انڈیا

PRINTED PUBLISHED AND OWNED BY MOHD.MASOOD AZIZI NADWI
PRINTED AT UNION PRESS DEOBAND AND PUBLISHED AT MUZAFFARABAD SRE
CHIEF EDITOR.MOHD MASOOD AZIZI NADWI

npage24\A017 not found.
Border\BISMIL01\001. not found.
npage24\A017 not found.

اس شمارے میں

عناوین	مضمون نگار	صفحہ
اداریہ اہانت رسول کی سزا............	مولانا محمد مسعود عزیزی ندوی	۳
تبلیغ دین دعوت اسلامی	حضرت مولانا محمد رابع حسنی ندوی	۵
افکار منبع رشد وہدایت......	قاری عبدالرؤف بلندشہری دارالعلوم دیوبند	۶
جائزہ گم گشتۂ راہ	مولانا عبداللہ حسنی ندوی، ندوۃ العلماء لکھنؤ	۷
وصایا وصایا مفکر اسلامؒ	مولانا سید محمود حسنی ندوی	۹
دعوت فکروعمل فطرت کے ساتھ بغاوت کا انجام	مولانا محمد اسرار الحق قاسی	۱۳
سلوک واحسان تصوف اور حضرت شاہ ولی اللہؒ	مولانا محمد ولی رحمانی	۱۴
شعروادب اقبال کے کلام میں سینا اور سینائی سے............	محمد بدیع الزماں	۱۶
تاریخ اسپین اندلس کے بیالیس معروف تاریخ داں	جناب زکریا ورک (کینیڈا)	۲۰
آئین ہند ہندوستان کا قانون	محمد ارشد فیضی	۲۴
تذکیر یاد رکھیے! آپ خیر امت ہیں	مولانا نسیم اختر شاہ قیصر	۲۷
مکتوبات اکابر مکتوبات حضرت جی مولانا انعام الحسن کاندھلویؒ	محمد مسعود عزیزی ندوی	۲۸
احسان قرآن عربی ادب پر قرآن واسلام کا اثر	مولانا مفتی کفیل الرحمٰن نشاطؔ	۳۲
راہ سنت کھانے کے آداب آئینۂ نبویؐ میں	مولانا محمد عمران اکبرآبادی	۳۴
گوشۂ خواتین اسلام میں پردہ کی اہمیت	محترمہ سارہ عزیزی ناظمہ فاطمۃ الزہراء للبنات	۳۷
اصلاحیات تربیت اطفال	مولانا محمد عمر مجاہد پوری	۴۰
لائحہ عمل خطبۂ استقبالیہ	مولانا کبیر الدین فارانؔ	۴۲
تبصرے نئی کتابوں پر تبصرہ	مولانا نظام الدین ندوی	۴۶
مراسلات آپ کے خطوط..................		۴۷
حالات حاضرہ عالمی خبریں..................	حافظ عبدالستار صاحب عزیزی	۴۸

E.mail : mifiislami@yahoo.com ------------ nuqooshe_islam@rediffmail.com

پرنٹر پبلیشر محمد مسعود عزیزی ندوی نے یونین آفسٹ پریس دیوبند میں طبع کرا کے دفتر ماہنامہ نقوش اسلام مظفرآباد سے شائع کیا

کمپوزنگ اینڈ ڈیزائینیگ: حمیداللہ قاسمی ☆ عزیزی کمپیوٹر سنٹر، مرکز احیاء الفکر الاسلامی، مظفرآباد، سہارنپور (یوپی)

اداریہ

اہانت رسول کی سزا

ڈنمارک کے اخبار کے ایڈیٹر کی عبرت ناک ہلاکت

محمد مسعود عزیزی ندوی

اگر کوئی اللہ تعالی کے کسی ولی سے دشمنی کرے گا، اللہ تعالی کا اس سے اعلان جنگ ہے اور اگر کوئی اللہ کے کسی نبی سے دشمنی کرے گا، کسی رسول کی توہین کرے گا، تو اس کی عبرت ناک ہلاکت میں کیا شک ہے؟ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے جب حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ زیادتی کی، ان کی باتوں کو ٹھکرایا، ان کا مضحکہ کیا، ان کی توہین کی، تو اللہ کی پکڑ آئی اور تمام لوگوں کو غرق آب کر کے جہنم رسید کر دیا۔

حضرت ہود علیہ السلام کی قوم عاد نے حضرت ہود کو بے عقل ٹھہرایا اور ان کی تکذیب کی، اللہ تعالی کا غصہ اور عذاب ان پر نازل ہوا، اللہ تعالی نے ان کی جڑ کاٹ دی، پھر حضرت صالح علیہ السلام کی متکبر قوم ثمود نے حضرت صالح کی بات ماننے سے انکار کیا اور ان کی رسالت کو تسلیم نہیں کیا، اللہ کی طرف سے ان پر زلزلہ کا عذاب نازل ہوا، حضرت لوط علیہ السلام کی قوم نے اپنی نفسانی اور حیوانی شہوت سے ایک ایسے فعل کا ارتکاب کیا جو اس سے پہلے کسی قوم نے نہیں کیا تھا، پیغمبر لوط علیہ السلام نے ان کو اس فعل شنیع سے باز رکھنے کی کوشش کی، تو قوم کے اوباشوں نے کہا چلو ملا جی، بڑے ہی پاک باز معلوم ہوتے ہو، اللہ نے ان پر پتھر برسائے اور وہ ہلاک ہو گئے۔

حضرت شعیب علیہ السلام نے مدین کے لوگوں کو ناپ تول میں کمی زیادتی سے منع فرمایا اور زمین میں فساد برپا کرنے سے روکا، قوم کے چودھریوں نے حضرت شعیب کی ایک نہ سنی اور حضرت شعیب کو بستی سے نکل جانے کی گستاخانہ اور اہانت آمیز دھمکی دی، تو قوم پر اللہ کی طرف سے خطرناک زلزلہ اور عذاب ظلہ نازل ہوا اور وہ لوگ ہلاک ہو گئے، پھر حضرت موسی علیہ السلام نے فرعون اور اس کے امراء کو اللہ کی وحدانیت کا پیغام اور دعوت دی، فرعون اور اس کے دم چھلوں نے حضرت موسی علیہ السلام کی نہ مانی، ان کی توہین کی اور طرح طرح کی تکلیفیں دیں، اللہ نے فرعون اور اس کے لشکریوں کو قحطوں اور میوں اور پھلوں کے نقصان میں پکڑا، پھر بھی نہ مانے، پھر مختلف اوقات میں ان پر مختلف عذاب نازل ہوئے، یہاں تک کہ اللہ تعالی نے ان کو دریا میں غرق کر کے ہلاک کر دیا۔

غرضیکہ جہاں جہاں جس علاقہ میں جس نبی ورسول کی باتوں کا لوگوں نے استہزاء کیا، مذاق اڑایا، ان کی توہین کی، اللہ کی طرف سے عذاب نازل ہوا اور وہ ہلاک ہو گئے اور آنے والی قوموں کے لیے عبرت بن گئے، جب یہ معاملہ عام پیغمبروں کا ہے تو جو پیغمبر اللہ کے آخری نبی ورسول، خاتم الانبیاء اور محبوب رب العالمین ہوں، ان کی شان میں کوئی اگر گستاخی کرے، ان کی بات کا انکار کرے، ان کی پیغمبری کی توہین کرے، تو اس پر اللہ کا عذاب یقینی ہے، قرآن کریم میں اللہ تعالی نے صحابہ کو ان کے سامنے ذرا سی آواز کی بلندی کو حبط اعمال کا ذریعہ قرار دیا ہے، تو ان کی شان میں گستاخی کس قدر ہلاکت خیز ہے؟

سورہ احزاب میں اللہ تعالی فرماتا ہے، کہ جو لوگ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت پہونچاتے ہیں، اللہ تعالی نے ان کے لیے دنیا و آخرت میں دردناک ہیبت ناک عذاب تیار کر رکھا ہے، سورہ توبہ میں بھی ارشاد خداوندی ہے کہ جو لوگ اللہ کے رسول کو اذیت وتکلیف پہنچاتے ہیں تو

ان کے لیے دردناک عذاب ہے، انبیاء اور پیغمبر چونکہ اللہ کے برگزیدہ بندے ہوتے ہیں، پوری انسانیت میں ان کا خاص اور الگ مقام ہوتا ہے، قرآن کریم کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی ایک نبی کی توہین، کسی ایک نبی کی دشمنی اور ان کی شان میں گستاخی یہ تمام انبیاء و رسولوں کی دشمنی اور تمام رسولوں کی شان میں گستاخی کے مرادف ہے، قرآن کریم کی آیات اس کی تائید کرتی ہیں، جب ایک نبی کی اہانت و تکذیب پر قومیں ہلاک ہوسکتی ہیں، تو جس نے تمام نبیوں کی توہین و تکذیب کی تو اس کو زمین نگل جائے، آگ اس کو جلا کر خاکستر کردے، آسمان اس پر پتھر برسائے، تو کیا بعید ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے توہین آمیز خاکے شائع کرنے والا ڈنمارک کا بدنام زمانہ اخبار Jyllands Posten کا بدبخت ایڈیٹر Jens Kaiser اپنے کمرے میں سویا ہوا تھا کہ قانون قدرت کے مطابق اچانک آگ بھڑک اٹھی، جس کی لپیٹ میں وہ بدبخت زندہ جل کر ختم ہوگیا، اس گستاخ رسول نے ۳۰؍دسمبر ۲۰۰۵ء کو اپنے اخبار میں رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے توہین آمیز خاکے شائع کئے تھے، اس کو اللہ کے عذاب نے سوتے ہوئے پکڑ لیا اور وہ زندہ جل کر جہنم رسید ہوگیا۔ (راشٹریہ سہارا ۱۶؍جون ۲۰۰۶ء)

لکھنؤ کے ایک خبرنامے کے مطابق ''تقریباً تین سال پہلے اپریل ۲۰۰۳ء میں ڈنمارک کے آرٹسٹ Christoffer Zieler نے حضرت عیسیٰ مسیح کی شبیہ پر مبنی کارٹونوں کا ایک سلسلہ ڈنمارک کے اخبار Jyllands Posten کو برائے اشاعت بھیجا، اخبار کے ایڈیٹر Jens Kaiser نے یہ کہہ کر شائع کرنے سے انکار کردیا کہ اس سے عیسائی فرقے کے جذبات مجروح ہوں گے اور اس پر بہت چیخ و پکار ہوگی، مسیحی دنیا احتجاج کرے گی، کارٹون ساز زیلر کا کہنا تھا، کہ اس نے یہ کارٹون بہت سوچ سمجھ کر بنائے تھے اور اپنے عیسائی دادا کو دکھائے بھی تھے جو ان سے محظوظ ہوئے تھے، مگر ایڈیٹر کارٹون شائع نہ کرنے کے اپنے فیصلے پر اڑا رہا...... اور اب یہ وہی اخبار Jyllands Posten ہے جس نے اسلام کے آخری پیغمبر کی شبیہ پر مبنی ایک نہیں بارہ کارٹون شائع کرڈالے اور اس کا ایڈیٹر بھی وہی Jens Kaiser ہے جو کارٹونوں کی اشاعت کا زبردست دفاع کر رہا ہے، تین سال پہلے کے انکار کا ریکارڈ لندن کے اخبار گارجین کی انٹرنیٹ سروس کے نامہ نگار Gwladys Fouche نے نکالا ہے، (۶؍فروری) اور سوال اٹھایا ہے کہ کیا ڈنمارک کے اخبار کا یہ دہرا معیار نہیں ہے؟ جینس کیسر نے اس کا جو جواب دیا ہے وہ بھی پر لطف ہے ''پیغمبر اسلامؐ کے کارٹون ساز سے خود ہم نے فرمائش کی تھی کہ وہ یہ کارٹون بنائے، جب کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کارٹونوں کے لیے ایسی کوئی فرمائش نہیں کی گئی تھی، وہ آرٹسٹ نے اپنے طور پر بنا کر بھیجے تھے''۔

اب طرہ اس پر یہ کہ چونکہ ذرائع ابلاغ اور میڈیا پر اسلام دشمن عناصر کی چھاپ ہے، اس لیے اگر ان کو کوئی ایسا شوشہ ملتا ہے، جس سے اسلام کی شبیہ خراب ہوتی معلوم ہوتی ہو تو اس کو خوب اچھالا جاتا ہے اور اس کو ایسی شکل میں دنیا کے سامنے پیش کیا جاتا ہے جس سے مسلمانوں کے ایمانی جذبات مجروح ہوں، لیکن پھر دیر سویر اس کا وہی نتیجہ سامنے آتا ہے جو دنیا نے ڈنمارک کے اخبار کے ایڈیٹر کے ساتھ دیکھا، جو دراصل اسلام کی حقانیت کی واضح دلیل ہے، لیکن اس کو غیر اہم سمجھ کر کسی انگریزی اخبار یا کسی خبر رساں ایجنسی نے اس پر کوئی تأثر یا مضمون یا کوئی رپورٹ نہیں شائع کی، یہ اس کے جانبدار رویہ اور اسلام کے تعلق سے ان کی دشمنی کا کھلا ثبوت اور میڈیا کا کھلا دہرا رویہ ہے، بس اللہ تعالی ایسے تمام دشمنوں کو ایسے ہی ہلاک کرے گا جیسا کہ گذشتہ ظالموں کو ہلاک کرچکا ہے۔

نادان ابھی اپنی گستاخی پہ نازاں ہے ☆ لیکن یہ تصور بھی موت کا عنوان ہے

تبلیغ دین

دعوت اسلام

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ

دین حق کی دعوت کے کام کا جائزہ لیا جائے، تو یہ بات پوری طرح ظاہر ہو جاتی ہے کہ مسلمان داعیوں نے علی العموم پر امن طریقوں سے کام کیا ہے اور اسلام کے حلقہ بگوش دین حق کے حلقہ میں زیادہ تر ان کی پر امن کوششوں سے داخل ہوئے، جنگوں کا اثر اس میں بہت ہی کم رہا ہے، خاص طور پر وہ جنگیں جن کے پیچھے دعوت حق کے اصولوں پر عمل نہیں پیش کیا گیا، البتہ اسلام کے نرم خو مخلص اور محبِّ انسانیت داعیوں نے محبت اور خوش اخلاقی کے ذریعہ یہ کام انجام دیا کہ جس کے نتائج بڑے عظیم ظاہر ہوئے، خاص طور پر برصغیر ہندو پاک میں اسلام پھیلنے کا سہرا دراصل ان مخلص اور زاہد داعیوں اور مربیوں کا ہے، جو صوفیہ کہے جاتے ہیں، جن میں سے ایک ایک کے ہاتھ پر لاکھوں غیر مسلم اسلام کے گرویدہ ہوئے اور حلقۂ اسلام میں داخل ہوئے، پورا کشمیر ایک مخلص داعی شیخ علی ہمدانی کی کوشش کا مرہون منت ہے، پنجاب کا بیشتر حصہ شیخ علی متقی کی کوششوں کا مرہون منت ہے، بنگال کا بیشتر حصہ حضرت سید احمد شہیدؒ کی توجہ اور ان کے خلفاء خصوصاً مولانا کرامت علی صاحب جونپوریؒ کی کوششوں کا ثمرہ ہے۔

اسی طرح افغانستان، ترکستان، شمالی افریقہ، مشرقی افریقہ اور جہاں جہاں مسلمانوں کی آج اکثریت ہے، وہاں مسلمانوں کی جنگوں سے اسلام نہیں پھیلا؛ بلکہ مخلص اور پر امن داعیوں کی کوششوں سے پھیلا، اس کا ثبوت وہاں کی مذہبی تاریخ سے ملتا ہے، اسلام نے انسانی زندگی کے لیے جو راہنمائی اور ہمدردی کا ثبوت دیا ہے، یہ سب اس کا اثر ہے حتی کہ عرب مسلمان تاجر جن جن علاقوں میں اپنے کاروبار کی غرض سے گئے، وہاں ان کی زندگی کی خوبیوں کے اثرات پڑے اور بکثرت لوگ مسلمان ہوئے، ان میں ہندوستان کا مالابار علاقہ ملیشیا اور انڈونیشیا کے علاقے، فلپائن اور تھائی لینڈ کے بعض ساحلی حصے داخل ہیں۔

اور آج دنیا کا کوئی ملک خواہ یورپ میں ہو یا امریکہ اور آسٹریلیا میں ہو، سب جگہ اسلام کے داعی اور ان کے اصلاحی اور دعوتی ادارے اور جماعتیں موجود ہیں، جو محض اللہ کی رضا کے لیے بے نفسی و دنیاوی بے بضاعتی کے ساتھ کام کر رہے ہیں اور فائدہ پہنچ رہا ہے، ان کو وہاں کی حکومتوں کی طرف سے سخت دشواریوں کا سامنا بھی ہے، لیکن صبر و خاموشی کے ساتھ اپنے کام میں لگے ہوئے ہیں۔

یہ لوگ اس طرح نہ صرف یہ کہ ایک داعی اور مبلغ ہیں؛ بلکہ اپنے اپنے علاقوں کی قوموں پر گواہ بھی ہیں کہ ان علاقوں کی قوموں نے دین حق کی دعوت کے ساتھ کیا رویہ اختیار کیا اور خدا اور رسولؐ کے مقام کو کہاں تک مانا اور قبول کیا، ان کی گواہی قیامت کے روز ان لوگوں کو شرمندہ کرے گی، جنھوں نے دعوت حق کو ماننے سے گریز کیا اور اس کو سننے کے لیے بھی تیار نہیں ہوئے تھے۔

اس طرح یہ امت وسط صرف یہ کہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے عمل کو انجام دیتی رہی؛ بلکہ اپنی معاصر قوموں پر گواہ بننے کے لائق بنی اور خیر امت کے لقب کی مستحق ثابت ہوئی۔

اس امت کے سربراہ آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اس امت کے لیے نمونہ اور مثال ہے، جنھوں نے اپنی تیئس سالہ دعوتی زندگی میں سے شروع کے تیرہ سال نہایت قربانی اور صبر کے ساتھ دین حق کے پیغام کو پھیلانے اور پہنچانے میں گزارے اور سخت سے سخت اذیت کا ادنی سے ادنی جواب نہیں دیا اور اپنے صحابہؓ کو بھی سختی کے ساتھ

اس پر عمل پیرا بنایا، پھر زندگی کے دس سال میں دعوت کے کام کو پرامن ہی بنایا اور جنگیں صرف دشمن کے حملوں اور مقابلوں کے جواب میں کیں اور ان میں بھی جنگ کے دوران اسلام اتنا نہیں پھیلا جتنا آپ کے معاہدۂ صلح کی دوسالہ مدت میں پھیلا، تاریخ کا کھلے دل کے ساتھ مطالعہ کرنے پر یہ بات ثابت ہوجاتی ہے کہ اسلام جنگ سے نہیں پھیلا، اسلام خلوص ومحبت اور انسانی ہمدردی کے ساتھ پھیلا، اس پر تلوار سے پھیلنے کا الزام بالکل الٹی بات ہے اور اسلام کے رواداری اور رعایت کے رویہ کے ساتھ بھی بالکل مطابقت نہیں رکھتی، اسلام کے داعیوں نے اپنے کھلے دشمنوں کے ساتھ بھی ہمدردی اور رعایت کا معاملہ کیا۔

فتح مکہ کے موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل اس کی اعلی مثال ہے جس کی مثالیں ہم کو مسلمانوں کی بہت سی جنگوں میں ملتی ہیں اور یورپ کے مؤرخین بھی جانتے ہیں کہ سلطان صلاح الدین ایوبی نے بیت المقدس کو لڑکر جب واپس لیا ہے، تو اپنے دشمنوں کے ساتھ کس رعایت وہمدردی کا سلوک کیا، سلطان صلاح الدین ایوبی سے سخت دشمنی کے باوجود ادب کے مورخین نے ان کی اس انسانیت نوازی کا اعتراف کیا ہے، ضرورت ہے کہ اسلام کی تاریخ کو اس کی ان جنگوں کے وقت میں نہ دیکھا جائے، جو سپاہیوں نے اپنی حکومت کے لیے کیں، اسلام کو اسلام پر فوراً عمل کرنے والوں کی زندگیوں اور ان کے عمل وکوشش میں دیکھا جائے اور انسانیت نوازی کا مطالبہ کیا جائے، تب ہی اسلام کی صحیح شکل سامنے آتی ہے۔

☆☆☆☆☆☆

روح اسلام کی ہے نور خودی، نار خودی
زندگانی کے لیے نار خودی نور وحضور
یہی ہر چیز کی تقویم، یہی اصل نمود
گرچہ اس روح کو فطرت نے رکھا ہے مستور

علامہ اقبالؒ

افکار

منبع رشد وہدایت ہے نقوش اسلام

نتیجہ فکر: مولانا قاری عبدالرؤف حیاتؔ بلندشہری
استاذ تجوید وقرأت دارالعلوم دیوبند

ماحی شرک وضلالت ہے نقوش اسلام
حامی دین وشریعت ہے نقوش اسلام
منبع رشد وہدایت ہے نقوش اسلام
دین وسنت کی اشاعت ہے نقوش اسلام
دعوت دین کی تعمیم کا یہ باعث ہے
دین اسلام کی دعوت ہے نقوش اسلام
اس کے مضمون ہیں قرآن وسنت کے امین
حافظ دین وَسنت ہے نقوش اسلام
ظلمت جہل میں روشن ہے یہ دیں کی مشعل
ملت دیں کی حفاظت ہے نقوش اسلام
باہمی رافت والفت کا پیمبر ہے یہ
بھائی چارے کی علامت ہے نقوش اسلام
باہمی نفرت وٹکراؤ کا جوخوگر ہے
ایسے انساں کی خجالت ہے نقوش اسلام
دین اسلام کی ترویج کا یہ ضامن ہے
داعی کار نبوت ہے نقوش اسلام
ہے یہ مسعود کی دیرینہ تمنا کا چراغ
داعی حب واخوت ہے نقوش اسلام
اعلی معیار طباعت ہے مضامیں بھی ہیں خوب
مظہر حسن وبلاغت ہے نقوش اسلام
اے حیاتؔ اس سے اخوت کا چمن مہکے گا
رونق بزم محبت ہے نقوش اسلام

جائزہ

گم گشتۂ راہ

مولانا عبداللہ حسنی ندوی، استاذ حدیث ندوۃ العلماء لکھنؤ

ایک شخص امریکہ کے سفر کے ارادے سے کشتی پر سوار ہوا، جب کشتی چلی تو تھوڑی دیر کے بعد اس کو معلوم ہوا کہ یہ کشتی نسا، یا جرمنی کی طرف جارہی ہے، اس نے فرسٹ کلاس کا ٹکٹ خرید رکھا تھا اور جہاز راں کمپنی اس کے ساتھ امن وآشتی، اخوت ومروت کا معاملہ کررہی تھی اور اس کو کشتی میں خواہش کے مطابق ہر چیز مہیا تھی، لیکن ان تمام تر سہولیات کے باوجود وہ انشراح نفس، قلبی راحت اور دماغی تسکین محسوس نہیں کررہا تھا، کیونکہ اس کو جانا تھا امریکہ اور وہیں اس کا دل لگا ہوا تھا، اور کشتی کا رخ دوسری طرف تھا، جہاں اس کے جانے کا ارادہ نہیں تھا۔

یہی قصہ آج انسان کا ہے، انسان جس کشتی پر سوار ہے، وہ بہت بڑی ہے اس کی تمام منزلوں میں فرنیچر ہے، اس کے تمام کمرے ایرکنڈیشن (A.C.) ہیں، غرضیکہ عیش وآرام اور لذت ومستی کے تمام وسائل اس میں موجود ہیں اور اس میں اس کا خاندان بھی اس کے ساتھ سوار ہے، وہ اس سے لطف اندوز ہورہا ہے، اپنے آپ کو تسلی واطمینان دے رہا ہے، مگر جب وہ اپنے کمرہ سے باہر آتا ہے اور سمندر کی موجوں اور اس کی تیز وتند لہروں کا یکبارگی مشاہدہ کرتا ہے تو اس پر اپنی جان کی ہلاکت کے متعلق خوف وہراس اور رنج والم کے پہاڑ ٹوٹ پڑتے ہیں، وہ اپنی بزم عیش (Cabinet) میں لوٹ آتا ہے، تاکہ اس خوف وغم کو بھول جائے، جس نے اس کو لرزہ براندام کردیا اور جس کیوجہ سے اس کے ہوش وحواس جاتے رہے اور جب بھی اس کو معلوم ہوتا ہے کہ کشتی برابر ساحل سے دور ہوتی جارہی ہے اور جس سمت کی اس نے نیت نہیں کی ادھر کو رواں دواں ہے، تو اس پر بے چینی اور اضطراب کی کیفیت طاری ہوتی ہے اور حیرت وپریشانی اور خوف ودہشت میں ڈوب جاتا ہے، بس پھر وہ اس پریشانی وقلق کو ختم کرنے میں اپنی کوشش ومحنت کے ایسے مختلف وسائل کو کام میں لاتا ہے جو کانٹے سے کانٹا نکالنے کے مرادف ہوتے ہیں، اس لیے کہ وہ تمام مسکرات اور نشہ آور چیزوں کو استعمال کرتا ہے، نفس کی تسلی، ذہنی الجھن اور کلفت وبے چینی کو دور کرنے کے لیے خواہشات وشہوات کے سمندر میں غرق ہوجاتا ہے، نتیجۃً اس کی پریشانی واضطرابی کیفیت دوچند ہوجاتی ہے، جیسے کوئی شخص ہو کہ اس کو شیطانوں نے کہیں جنگل میں بے راہ کردیا ہو اور وہ بھٹکتا پھرتا ہو، اس کے کچھ ساتھی بھی ہوں کہ وہ اس کو ٹھیک راستہ کی طرف بلارہے ہوں کہ ہمارے پاس آ! آپ کہہ دیجئے کہ یقینی بات ہے کہ راہ سنت وہ خاص اللہ ہی کی راہ ہے اور ہم کو یہ حکم ہوا ہے کہ ہم پورے مطیع ہوجاویں۔

یہ انسان جس نے ستاروں پر کمند ڈالی، سمندروں اور دریاؤں پر حکومت کی جنگلوں اور صحراؤں کی جادہ پیمائی کی اور ایجادات واختراعات کی دنیا میں بہت دور نکل گیا، تسکین خاطر، خوشحالی اور اپنی حیوانی خواہشات کی آگ بجھانے کے لیے اس نے اس عروج وارتقاء کا غلط استعمال کیا، اس لیے وہ فضاء میں اڑنے والے پرندوں اور سمندروں میں تیرنے اور اس کی تہہ میں پہنچنے والی مچھلیوں کی طرح ہوگیا اور اس نے ان تمام جدید علوم کو حاصل کیا جن کی فہرست بہت طویل ہے؛ لیکن اس دنیا میں ایک انسان کی طرح زندگی گزارنے کا طریقہ نہ سیکھ سکا اور نہ ہی ان صفات سے متصف ہوسکا، جن سے متصف ہونا اس دنیا میں ضروری ہے، تاآنکہ وہ جان لے اللہ کے اس راستہ کو جس کو انبیاء ومرسلین نے دنیا کے سامنے پیش کیا اور اس منزل کی طرف رخ کرے جس کے لیے وہ پیدا کیا گیا ہے۔

اس لیے جب تک وہ اپنے راستہ کو درست نہ کرلے اور اپنی منزل ومقصد کو نہ پہنچان لے اور انسانی معاشرہ میں زندگی گزارنے کا طریقہ اور اس میں انسانیت کی گاڑی چلانے کا طریقہ نہ سیکھ لے، پرسکون ومطمئن اور انشراح صدر واطمینان قلب کے ساتھ زندگی نہیں گزارسکتا، کیونکہ انسانی

معاشرہ میں رہنے سہنے کا سلیقہ اور مستقبل کے لیے کسی قسم کی تیاری کیے بغیر اس کا ان علوم وفنون اور ٹیکنا لوجی (TechnoLogy) کے میدان میں منتہائے کمال کو پہنچ جانا اس کے لیے قطعاً بے سود ہوگا، مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے اس کیفیت کی تصویر اور منظر کشی ایک قصہ کی شکل میں بہت ہی دقیق انداز میں کی اور اس سے ایک حکمت و باریک نکتہ نکالا، حضرت فرماتے ہیں: کہ ”مدرسہ کے نوجوان طلباء کا ایک زندہ دل گروہ سمندر میں تفریح کے لیے اور خشکی کے دوسرے کنارے پر پہنچنے کے لیے کشتی میں سوار ہوا طبیعت موج پر تھی، کام کچھ نہ تھا، انہوں نے بیچارے ملاح کو تفریح کا ذریعہ بنایا اور اس سے دل بہلانے لگے، ان میں سے کسی ایک طالب علم نے کہا چچا آپ نے کچھ تعلیم بھی حاصل کی ہے! ملاح نے کہا نہیں بھیا میں تو کچھ پڑھا لکھا نہیں ہوں، پھر اسی طالب علم نے پوچھا چچا آپ نے علم الطبیعات تو پڑھا ہی ہوگا، ملاح نے جواب دیا نہیں بھائی میں تو یہ نام سنا بھی نہیں، ایک اور طالب علم نے کہا، لیکن آپ نے چچا” اقلیدس“ اور ”الجبرا“ تو ضرور پڑھا ہوگا، ملاح نے کہا یہ تو عجیب وغریب نام ہے، میں نے تو سنے بھی پہلی ہی مرتبہ ہیں، ایک تیسرے شاطر نے کہا آپ نے جغرافیہ اور تاریخ تو ضرور پڑھی ہوگی، ملاح نے شرما کر کہا کہ بھیا یہ کسی شہر کے نام ہیں، یا کسی شخص کے، یہاں پر وہ نوجوان آپے میں نہ رہ سکے اور زور سے قہقہہ لگایا، پھر ملاح سے پوچھا چچا آپ کی عمر کتنی ہے؟ ملاح نے جواب دیا کہ بھئی چالیس برس ہوگی، لڑکوں نے کہا جاؤ آپ نے اپنی آدھی عمر ضائع کردی، ملاح خاموش ہوگیا (اللہ کو اس کی غریبی اور جہالت پر رحم آیا، اب اس کی باری آئی، دریا ابھی تک پرسکون تھا لیکن) تھوڑی دیر کے بعد اس میں طوفان آیا بڑی بڑی، لہریں اٹھنی شروع ہوگئیں، کشتی مضطرب ہونے لگی اور سمندر کی موجیں منھ کھولے ہوئے کشتی کو نگلنا ہی چاہتی تھیں، نوجوان کشتی میں پریشان تھے، ان کا یہ حال تھا کہ اوپر کی سانس اوپر اور نیچے کی سانس نیچے، کشتی میں ان کی یہ پہلی آزمائش تھی، کشتی ڈوبنے کے قریب ہوگئی، اب ملاح کی باری آگئی، اس نے بڑی متانت اور سنجیدگی سے کہا صاحبزادے بتاؤ تم نے کیا کیا علوم حاصل کیے، نوجوان نے اپنے علوم کی جوانہوں نے یونیورسٹی میں پڑھے تھے، لمبی چوڑی فہرست سنانا شروع کردی، جب تمام علوم کے نام شمار کرا چکے، تب ملاح نے سنجیدگی کے ساتھ منھ بناتے ہوئے کہا بھیا تم نے کچھ تیرنا بھی سیکھا ہے، کیا تم جانتے ہو کہ اگر کشتی پلٹ گئی تو تم کیسے تیروگے اور صحت وسلامتی کے ساتھ ساحل تک کیسے پہونچوگے؟ لڑکوں نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا چچا جان تیرنا ہی نہیں سیکھا، یہاں ملاح مسکرایا اور بڑے بلیغ اور ادبی انداز میں کہا کہ جاؤ میں نے تو اپنی آدھی عمر کھوئی تھی تم نے اپنی ساری عمر ضائع کردی، اگر یہ کشتی ڈوبی تو جو نام تم لے رہے تھے، وہ تمہارے کچھ کام نہیں آئیں گے، تم کچھ نہ پڑھتے مگر تیرنا سیکھ لیتے تو بس اچھے رہتے، یہی ایک علم صرف تمہیں بچا سکتا ہے اور یہ تیراکی ہے، جس سے تم ناواقف ہو“۔

یہ قصہ ان ترقی یافتہ اور مہذب قوموں کا ہے جو علوم وفنون کا انسائیکلوپیڈیا (Encyclopaedia) صنعت وحرفت کا مخزن اور ایجادات وانکشافات میں سارے عالم کی امام ہیں۔

لیکن وہ صرف ایک علم سے ناواقف ہیں، جو علم خالق اور اس کی معرفت تک پہنچاتا ہے اور وہ علم جس کے ذریعہ نجات حاصل ہوتی ہے اور جو اس سلامتی اور منزل مقصود تک پہونچانے کا ضامن ہے اور جو نفسیات وخواہشات کو قابو میں رکھتا ہے اور نفس پرستی وتمناؤں کو زیر کرتا ہے اور جو علم اخلاق کی اصلاح کرتا اور مہذب بناتا ہے اور جو انسان کو برائی سے روک کر بھلائی کے راستہ پر ڈال دیتا ہے اور اس میں خوف خداوندی ایسا سما جاتا ہے جس کے بغیر معاشرہ کی اصلاح اور تہذیب وتمدن کی بقا ممکن ہی نہیں اور جو علم انسان کو آخرت کے لیے زادراہ اور قیامت کے دن کی تیاری کرنے کے لیے ابھارتا ہے، انانیت وتکبر، بڑائی اور خودستائی، ودنیاوی ساز وسامان کی حرص وطمع کو کم کرتا ہے اور جو علم انسان کو میانہ روی اور کفایت شعاری کا خوگر بناتا ہے اور اس کو غیر مناسب جگہوں پر قوت کو صرف کرنے سے روکتا ہے۔

یہی معاملہ آج ہر معاصر قوم کا ہے جو گم گشتۂ راہ ہے، جس کو اس زندہ وجاوید اور ہمیشہ باقی رہنے والے دین اور عالمگیر نور کے ذریعہ راہ پر لانا ممکن ہے۔ ☆☆☆☆

وصایا

چوتھی قسط

وصایا مفکر اسلامؒ

مولانا سید محمود حسن حسنی ندوی استاذ مدرسہ ضیاء العلوم میدان پور

علم ودعوت کے کام سے وابستہ لوگوں کو وصیتیں :

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ علماء اور داعیوں کوان صفات وخصوصیات سے متصف دیکھنا چاہتے تھے، جن کی طرف قرآن نے اشارہ کیا ہے اور جن کی اہمیت وافادیت حدیث شریف میں بیان کی گئی ہے، ان کا یہ جذبہ اور حساسیت عربی زبان کے تعلق سے زیادہ بڑھی ہوئی تھی، چنانچہ ۱۱/اکتوبر ۱۹۸۲ء میں حیدر آباد (ہندستان) میں آل انڈیا عربک سیمنار میں آخر میں بڑی قوت اور صفائی سے اس حقیقت کی طرف توجہ دلائی اور کہا کہ:

''میری اس گزارش کا مدعا یہ ہے کہ کسی زبان کی تحصیل اور اس میں حصول کمال کے محرکات میں سب سے طاقتور محرک دینی اور روحانی ہے، یہ محرک وہ جرثقیل ہے، جو بڑی سے بڑی وزنی چیز کو چشم زدن میں سطح زمیں سے اٹھا کر بڑے سے بڑے ایوان بلند تک پہنچا دیتا ہے، جب صحیح جذبہ پیدا ہو جاتا ہے، تو انسان اس زبان کے بولنے اور لکھنے والوں سے بھی بہت آگے بڑھ جاتا ہے، اس لیے کہ جب بات ٹھہری دینی اور اندرونی جذبہ کی، تو یہ جذبہ جتنا زیادہ قوی ہوگا، اسی قدر زبان وقلم میں طاقت وتاثیر پیدا ہوگی، اگر عربی زبان کا کوئی طالب علم قرآن مجید کو اس کی اصل روح کے ساتھ سمجھنا چاہے گا اور اس پر محنت کرے گا، تو وہ بڑے سے بڑے عرب سے بڑھ جائے گا، ذہانت واندرنی صلاحیتوں کو حرکت میں لانے والی سب سے بڑی طاقت، عشق اور جذبہ ہے (تحفۂ دکن طبع اول صفحہ ۲۰)

مزید مولانا نے توجہ دلاتے ہوئے کہا کہ:

''میں عربی زبان کی سیاسی ومعاشی اہمیت وافادیت کا انکار نہیں کرتا؛ لیکن آپ سے اپیل کرتا ہوں کہ آپ اس کے ساتھ اس بنیادی حقیقت کا اضافہ کریں کہ اس کا اصل فائدہ دین کو صحیح طور پر سمجھنا قرآن وحدیث کے مضمرات کو قرآن وحدیث کی ہی زبان میں ان کے لانے والے کے منشاء کے مطابق معلوم کرنے کی کوشش کرنا اور کچھ ''سوز دروں'' پیدا کرنا ہے، پھر میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ عربی زبان آپ کے لیے اپنے خزانے اگل دے گی، میں آپ سے عرض کروں گا کہ عربی زبان خالص سیاسی ومعاشی زبان نہیں ہے، انسانوں، قوموں اور ملکوں کی طرح زبانوں کا بھی مزاج ومنفرد شخصیت ہوتی ہے، عربی زبان کا مزاج نبوی، ایمانی اور دعوتی ہے۔ (بحوالہ سابق صفحہ ۲۱)

۱۴/مارچ ۱۹۸۴ء کو بنگلہ دیش میں پڑھے لکھے لوگوں کے ایک مجمع کو خطاب کرتے ہوئے ایک اہم نقطہ کی طرف توجہ دلائی اور ایک راہ عمل دیا کہ:

''یہاں کی زبان (بنگلہ زبان) کو آپ اچھوتے نہ سمجھئے، بنگلہ زبان کو آپ یہ نہ سمجھئے کہ اس کے پڑھنے لکھنے میں کوئی ثواب نہیں ہے، یا عربی میں ثواب ہے، یا اردو میں ثواب ہے، آپ کو بنگلہ زبان میں مہارت پیدا کرنا چاہئے، بنگلہ زبان میں آپ اچھے لکھنے والے بنئے، آپ ادیب بنئے، مصنف بنئے، مقرر بنئے، آپ کی زبان میں مٹھاس ہو، رس ہو، آپ کی زبان ایسی ہو کہ ہم لوگ غیر مسلم ادیبوں کی تحریر پڑھنے کے بجائے آپ کی تحریریں پڑھیں اور مست ہوں، جھومیں، بنگلہ زبان کو غیر مسلموں کے رحم وکرم پر نہ چھوڑ یئے، یادرکھئے قلم کے ساتھ اثر آتا ہے، حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ خطوط کے ذریعہ سے بھی توجہ دی جاتی ہے، جب کوئی شیخ توجہ سے خط لکھتا ہے تو اس خط میں تاثیر ہوتی ہے۔

میری بات یاد رکھئے کہ بنگلہ زبان کی قیادت اپنے ہاتھ میں لیجئے دو قسموں سے ایک غیر مسلموں سے ایک غیر اسلامی سے، غیر اسلامی مسلمانوں میں بھی ہوتے ہیں اور اگر آپ بنگالی زبان سے قطع تعلق اور پرہیز کریں گے تو یہ ایک طرح کی معنوی خودکشی ہوگی۔ (انتخاب از تحفۂ مشرق)

علماء کو ایک خاص وصیت حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ اپنے سفر بنگلہ دیش میں یہ بھی فرمائی کہ ''اب نیا میدان ہے جس کی طرف آپ کو توجہ کی ضرورت ہے وہ یہ کہ عوام آپ کے اثر سے نکلنے نہ پائیں، وہ آپ کو یہ نہ سمجھیں کہ آپ اس ملک میں رہ کر بھی غیر ملکی ہیں۔

علماء اور دانشوروں کے ایک مجمع کو جامع مسجد فیصل آباد (پاکستان) میں خطاب کرتے ہوئے وصیت فرمائی کہ: ''سب سے بڑا کام اس وقت یہ ہے کہ ہم یہ ثابت کریں کہ اسلام اپنی اسی روح اور مقاصد کے ساتھ اور اپنے انھیں اصولوں کے ساتھ زندگی کا نہ صرف ساتھ دے سکتا ہے؛ بلکہ رہنمائی کر سکتا ہے، اس تأثر کو غلط ٹھہرائیں جو نوجوان طبقہ میں آرہا ہے کہ اسلام محض طاقت اور حکومت کے بل پر قائم رہ سکتا ہے اور وہ زمانہ کی تبدیلیوں اور علم وفن کی ترقیوں کا ساتھ نہیں دے سکتا اور یہ ثابت کریں کہ وہ تمدن صحیح انسانی تمدن نہیں اور وہ ریاست معتدل اور محفوظ ریاست نہیں جو اسلام کے اصولوں سے ہٹ جائے، یہ ثابت کرنا ہمارا سب سے بڑا فریضہ ہے۔

دوسرا فریضہ یہ ہے کہ اسلام کے مفاد کو ہر جماعت ہر ادارہ، ہر مدرسہ اور ہر گروہ کے مفاد پر ترجیح دیں، ہمیں دین وملت کا مفاد ہر جماعت سے عزیز ہونا چاہئے، سہرا کسی کے سر بندھے سہرا ہونا چاہئے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ تھا کہ صحابۂ کرام کے دل سے یہ شوق نکل گیا تھا، کہ ان کا کارنامہ سمجھا جائے۔

تیسری بات یہ کہ ہم جتنا بھی ہو سکے ایثار سے کام لیں اور باہمی نزاع سے پرہیز کریں، ہماری زندگی جتنی سادہ ہوگی، ہماری زندگی میں جتنی قربانی ہوگی، اتنا ہی اثر پڑے گا، اتنا ہی بہتر نتیجہ نکلے گا، سب سے خطرناک بات آپس کا نزاع ہے، چند باتیں حضرت مولاناؒ نے مزید فرمائیں، ایک یہ کہ ''آپ جدید تعلیم یافتہ طبقہ کو یہ تأثر نہ لینے دیں کہ کتاب وسنت موجودہ تمدن کا ساتھ نہیں دے سکتا ہے، یہ خیال بڑا خطرناک ہے، یہ الحاد تک پہونچا سکتا ہے، دوسری بات یہ کہ آپ عمل سے عوام پر اور خواص پر جو حکومت میں ہیں یہ تأثر دیں کہ آپ کی سطح عوام کی سطح سے بلند ہے، آپ کی زندگی میں سادگی نظر آئے اور قناعت دکھائی دے۔ (تلخیص از دعوت فکر وعمل، حدیث پاکستان)

علماء اور خواص کے ایک مجمع کو کشمیر (انڈیا) میں خطاب کرتے ہوئے یہ وصیت کی، کہ تین شرطیں پائی جانی ضروری ہیں: حیات، حرکت، حرارت۔

حیات ہے اور حرکت نہیں تو زندگی ویسی ہو جائے گی جیسے بہتا ہوا پانی جو رکنے کے بعد خراب ہونا شروع ہو جاتا ہے اور تعفن پیدا ہو جاتا ہے، تو حرکت نہ ہونے سے معاشرہ اور حیات ملی میں فساد آجائے گا۔

ایسے ہی حرارت بھی ہو، یعنی آپ کے اندر تعلق مع اللہ، عشق رسول، لقائے رب اور جنت کا شوق، ایمان کی قوت اور حق بات کہنے کی جرأت باقی ہو اور آپ کے ذریعہ سے ایمان اور عمل کا ایک کرنٹ دوڑنے لگ جائے، تو حرارت بھی ضروری ہے حرارت ایمانی اور حرارت عشقی دونوں ہونی چاہئے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اس ملت کی ہدایت اور اس کا دینی احتساب کا کام جاری ہو، نمازوں میں ترقی ہو رہی ہے، اس پر نظر ہو کہ تناسب کم ہو رہا ہے یا بڑھ رہا ہے، قمارخانے زیادہ آباد ہو رہے ہیں، یا مسجدیں، مسلمانوں میں کوئی نئی بیماری تو نہیں پھیل گئی؟ کوئی خراب عادت تو نہیں بڑھ رہی ہے، اس کے لیے عوام سے ربط ضروری ہے، خواص کو عوام تک پہنچانا چاہئے تاکہ معلوم ہو سکے کہ دین بڑھ رہا ہے یا گھٹ رہا ہے۔

اور ایک بات اور ہے وہ یہ ہے کہ عقیدۂ توحید راسخ کرنے، شرک کی بیخ کنی اور عقائد کی اصلاح میں قرآن مجید سے بڑھ کر کوئی تریاق اور قوی التاثر چیز نہیں ہے، علماء کو چاہئے کہ وہ شہر اور ملک کے مختلف

مقامات پر درس قرآن کو رواج دیں اور شرح وتفسیر میں خاص طور پر عقیدۂ توحید اور ردشرک پر زور دیں، پنجاب میں مولانا حسین علی صاحب بچھرایونی اور شیخ التفسیر مولانا احمد علی صاحب لاہوری نے اس سے بڑا کام لیا اور ہزاروں لاکھوں انسانوں کو اس سے نفع پہونچا اور ان کے عقائد کی اصلاح ہوئی۔(ملاحظہ ہو تحفۂ کشمیر صفحہ ۲۳ تا ۳۶)

تحفۂ کشمیر سے اہل علم ودانش کے لیے مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی ایک اہم وصیت یہاں ذکر کی جاتی ہے، جس میں انہوں نے فرمایا تھا کہ:

''شریفانہ انسانی زندگی گزارنے کا بنیادی فن خداترسی، انسان دوستی، ضبط نفس کی ہمت وصلاحیت، ذاتی مفاد پر اجتماعی مفاد کو ترجیح دینے کی عادت، انسانیت کا احترام، انسانی جان ومال، عزت وآبرو کے تحفظ کا جذبہ، حقوق کے مطالبہ پر ادائے فرض کو ترجیح، مظلوموں اور کمزوروں کی حمایت وحفاظت اور ظالموں وطاقتوروں سے پنجہ آزمائی کا حوصلہ، ان انسانوں سے جو دولت ووجاہت کے سوا کوئی جوہر نہیں رکھتے عدم مرعوبیت، وبے خوفی، ہر موقع پر اور خود اپنی قوم، اپنی جماعت کے مقابلہ میں کلمۂ حق کہنے کی جرأت، اپنے اور پرائے کے معاملہ میں انصاف اور ترازو کی تول، کسی دانا وبینا طاقت کی نگرانی کا یقین اور اس کے سامنے جواب دہی اور حساب کا کھٹکا، یہی صحیح خوشگوار وبے خطر اور کامیاب زندگی گزارنے کی بنیادی شرطیں اور ایک اچھے وخوش اسلوب معاشرہ اور ایک طاقتور ومحفوظ وباعزت ملک کی حقیقی ضرورتیں اور اس کے تحفظ کی ضمانتیں ہیں، اس کی تعلیم اور اس کے لیے مناسب ماحول مہیا کرنا دانشگاہوں کا اولین فرض اور اس کا حصول تعلیم یافتہ نسل اور ملک کے دانشوروں کی پہلی ذمہ داری ہے اور ہم کو اس جیسے تمام مواقع پر دیکھنا چاہئے کہ اس کام کی تکمیل میں ہماری دانشگاہیں کتنی کامیاب اور ان کے سند یافتہ افراد وفضلاء کتنے قابل مبارکباد ہیں اور آئندہ ان مقاصد کے حصول اور تکمیل کے لیے ہم کیا عزائم رکھتے ہیں اور ہم نے کیا انتظامات سوچے ہیں۔(تحفۂ کشمیر صفحہ ۱۰۳/۱۰۴)

☆☆☆☆☆☆

ماہراقبالیات محمد بدیع الزماں میری نظر میں

از:-منظورالحسن منظور

زندگی کا تیری سرمایہ ہے کل ''اقبالیات''
ہوگئی ہے تابدرخشندہ یہ تیری حیات
انکشافات رموز شعر میں شرحیں تیری
اک جہانِ نو بناتی ہے تیری ہر ایک بات
عام کردی تونے ہی اقبال کی فکر ونظر
صبح تابندہ بنادی تو نے ہر تاریک رات
تیرے میخانے میں ہے صہبائے عشقِ مصطفیٰ
تیرے پیمانے میں ہے اللہ کی ذات وصفات
تونے تلمیحاتِ قرآنی کو یوں افشا کیا
جیسے دیکھا ہم نے چشم دل سے رمز کائنات
ہم اگر ناآشنا رہتے خودی کے راز سے
بے گماں ہو جاتی یہ بھی زندگی کی واردات
وہ جوتھی اقبال کو اک مرد مومن کی تلاش
تجھ کو پاکر مل گئی ہے اس کواب اس سے نجات
تجھ کو پڑھ کر ہم نے سمجھا عظمت اقبال کو
ورنہ اے منظور کھلتا کس طرح راز حیات
دل میں تھا اقبال کے جو تیرا غم بھی ہے وہی
جان لیں اپنی خودی سب مومنین ومومنات
ان کی تشریحات بھی ہیں اے زماں تیرے یہاں
دیکھ کر غمگین تھے اقبال بھی جو حادثات
شاعر مشرق پہ پڑھ کر تیرے رشحاتِ قلم
بس گئے ہیں مشک عنبر ہی میں گویا شش جہات
تشنہ پہلو اب نہیں کوئی بچا اقبال پر
واقعی اہل ادب پر ہیں یہ تیرے التفات
تیرا ممنون کرم منظور بھی ہے اے زماں
تیرے رشحات قلم سب ہیں ادب کے صالحات

دعوت فکروعمل

فطرت کے ساتھ بغاوت کا انجام

مولانا محمد اسرارالحق قاسمی صدر آل انڈیا تعلیمی وملی فاؤنڈیشن نئی دہلی

اسلام دین فطرت ہے، اس کا کوئی بھی گوشہ ایسا نہیں ہے جو فطرت کے خلاف ہو، اسی لیے اسلام کے مطابق زندگی گزارنا آسان ہے، کیونکہ دشواری اسی وقت ہوتی ہے، جب کہ ایسا کام انجام دیا جائے، جو انسان کی فطرت وعادت کے مطابق نہ ہو، ایک کام جو انسان کے مزاج میں داخل ہو، اسے کرنا بالکل آسان ہوتا ہے، مثال کے طور پر اسلام میں اللہ سبحانہ وتعالی کی عبادت کی تاکید کی گئی ہے، یعنی اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ انسان اللہ کے آگے جھکے اور اس کے سامنے اپنی کم مائیگی کا اظہار کرے، اللہ کے سامنے سربسجود ہونا فطرت کے عین مطابق ہے، اس لیے کہ انسان کے مزاج میں عجز وانکساری رکھی گئی ہے، اسی طرح اسلام نے روزہ کا حکم دیا ہے، انسان کی طبیعت اور اس کے مزاج کو سامنے رکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ انسانی فطرت کے مطابق ہے، اس لیے کہ اس کے بہت سے طبی وجسمانی فائدے ہیں، اسی طرح اسلام کا ایک اور اہم ستون زکوۃ بھی انسانی فطرت کے عین مطابق ہے، چنانچہ دیکھا جاسکتا ہے کہ چندہ دینا، غریبوں وضرورت مندوں کا تعاون کرنا بھی انسانی مزاج میں ہے، اب جو شخص یہ اعمال بجالاتا ہے، وہ فطرت کے مطابق کام کرتا ہے اور جو شخص یہ عمل نہیں کرتا وہ فطرت کے خلاف کام کرتا ہے، جس کے بہت سے نقصانات سامنے آتے ہیں۔

فطرت کے خلاف کام کرنے کے خطرناک نتائج ہوتے ہیں اور اس سے انسانیت کو بڑا نقصان ہوتا ہے، مثال کے طور پر شرم وحیا انسانی فطرت ہے، اب جو شخص اپنی اس فطرت کے خلاف کام کرتا ہے، یعنی بے حیائی پر اتر آتا ہے، فحاشی اور عریانیت میں دلچسپی لیتا ہے، تو وہ شخص تمام حدود کو تجاوز کرنے والا ہوتا ہے، بے حیائی وفحاشی کے عمل کو آج کی دنیا میں زوروشور کے ساتھ انجام دیا جارہا ہے، اس لیے اس کے خطرناک نتائج برآمد ہورہے ہیں، فحاشی وبے شرمی کا عمل نسبتاً مغربی ممالک میں زیادہ ہے، اس لیے وہاں زناکاری وبدکاری کے بے شمار واقعات آئے دن رونما ہورہے ہیں، ناجائز اولادیں پیدا ہورہی ہیں، جس کے سبب ان ننھی سی جانوں کو یا تو کوڑے کے ڈھیروں کی نذر کیا جارہا ہے، یا انہیں یتیم خانوں میں داخل کیا جارہا ہے، یہی نہیں بلکہ اس خطرناک عمل کے سبب باہمی رشتوں پر گہرا منفی اثر پڑرہا ہے اور خاندانی نظام برباد ہورہا ہے، ازدواجی زندگی بے کیف ثابت ہورہی ہے، حد سے زیادہ طلاقوں کے واقعات سامنے آرہے ہیں، ایک مرد کتنی ہی عورتوں سے شادی کرتا ہے، مگر کسی عورت سے بھی اس کا ازدواجی رشتہ لمبے عرصے تک باقی نہیں رہتا، ایسے ہی عورت کئی کئی شادیاں کرتی نظر آتی ہے، لیکن اس کا ازدواجی بندھن بھی کچھ ہی وقت کے بعد ٹوٹ جاتا ہے، نتیجہ یہ کہ جوں جوں وقت گزرتا جاتا ہے، مایوسیاں اور تفکرات آن گھیرتے ہیں، ذہنی تناؤ میں اضافہ ہوجاتا ہے اور اس کی زندگی برباد ہوکر رہ جاتی ہے، یہ بھیانک انجام محض اس بنا پر سامنے آیا کہ لوگوں نے فطرت سے بغاوت کی، شرم وحیا کے دامن کو تارتار کیا اور بے حیائی وبے شرمی پر اتر آئے۔

فطرت کی اسی اہمیت کے پیش نظر اسلام ہمیشہ فطرت کے مطابق تعلیم دیتا ہے اور فطرت سے انحراف کی اجازت نہیں دیتا، جو شخص بھی فطرت کے مطابق زندگی گزارنے کی ٹھانے گا، وہ یقیناً اپنے آپ کو اسلام کے قریب پائے گا، پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''ہر بچہ فطرت اسلام پر پیدا کیا جاتا ہے، مگر اس کے والدین اسے یہودی بنادیتے ہیں، یا نصرانی بنادیتے ہیں، یا مجوسی بنادیتے ہیں''۔ اس حدیث سے کئی باتیں واضح طور

سے سامنے آتی ہیں، ایک تو یہ کہ اسلام دین فطرت ہے اور ہر شخص اگر فطرت کے مطابق زندگی گزارے، تو وہ یقیناً اسلام میں داخل ہوگا، بالکل اس طرح جب کہ ایک بچہ کو ہر طرح کے ماحول سے آزاد رکھا جائے، نہ اسے یہودیت کا ماحول دیا جائے، نہ نصرانیت کا، نہ مجوسیت اور نہ کسی اور مذہب، قوم وملت کا تو جیسے جیسے وہ بچہ بڑا ہوگا، اس کی فطرت ایک مالک حقیقی کی طرف اس کی رہنمائی کرے گی اور اس بات کی طرف کہ جو ذات اس کو پیدا کرنے والی ہے، وہی ذات اس بات کی مستحق ہے، کہ اس کے احکامات کی پیروی کی جائے اور اس کی عبادت کی جائے، اس کے بھیجے ہوئے رسولؐ پر ایمان لایا جائے اور اسی کے نازل کردہ دین کے مطابق زندگی گزاری جائے، دوسری ایک اور بات اس حدیث سے معلوم ہوتی ہے کہ انسان کے مستقبل کے طے کرنے میں یا اچھا برا بننے میں صحبت کا بہت بڑا کردار ہوتا ہے، جو شخص جیسی صحبت اختیار کرے گا، اس کی زندگی پر وہی اثرات مرتب ہوں گے، اگر نیک لوگوں کی صحبت اختیار کرے گا، تو وہ صالح ونیک انسان بنے گا اور جو بد لوگوں کے پاس بیٹھے گا، ان کے ساتھ کھائے گا، پیئے گا، تو ان جیسا بن جائے گا، بالکل اس طرح جیسا کہ بچہ جب پیدا ہوتا ہے تو وہ خالی الذہن ہوتا ہے اور فطرت اسلامی پر ہوتا ہے، لیکن اگر اس کے والدین عیسائی ہوتے ہیں، تو وہ بھی عیسائی بن جاتا ہے، کیونکہ وہ آنکھ کھول کر اپنے والدین کو دیکھتا ہے کہ وہ چرچ میں جاتے ہیں، عیسائیت کی بات کرتے ہیں، تو بدیہی طور پر وہ بھی چرچ میں جانے لگتا ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تعلق سے وہی خیال رکھنے لگتا ہے جیسے کہ اس کے والدین رکھتے ہیں۔

یہی حال ہمارے معاشرے کے بچوں کا بھی ہے، کہ اگر وہ اچھے بچوں کے ساتھ کھیلتے ہیں، صالح اولاد کی صحبت میں رہتے ہیں اور پاک ماحول میں زندگی گزارتے ہیں تو بڑے ہوکر وہ بھی اچھے انسان اور صاحب کردار شخص بن جاتے ہیں، اس لیے امت کے تمام افراد کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے بچوں کو بہتر انسان بنانے کے لیے سب سے پہلے خود بہتر بنیں، پھر اپنے گھر کے ماحول کو بہتر اور اسلامی بنائیں، اپنے گھروں میں ایسی چیزوں کو نہ گھسنے دیں جو آگے چل کر ان پر مضر اثرات ڈال سکتی ہیں، چنانچہ کوشش کی جائے کہ اپنے گھروں کو ٹی، وی سے پاک رکھا جائے، ریڈیو، ٹیپ ریکارڈر بھی گھر میں نہ آنے دیا جائے، یا پھر ان کا جائز استعمال کیا جائے، کیونکہ ان سے بچوں کے گانوں کے عادی ہونے کا خطرہ ہے، گھروں میں خواتین فیشن اور بے جا بناؤ سنگھار سے بھی پرہیز کریں، اس لیے کہ اگر وہ عجیب وغریب تراش خراش کے کپڑے پہنیں گی تو گھر میں موجود چھوٹی بچیاں بھی اسی فیشن میں دلچسپی لینے لگیں گی، والدین جھوٹ بولنے سے بھی اجتناب کریں، اس کا ایک نقصان تو یہ ہے کہ یہ گناہ عظیم ہے، دوسرے یہ کہ چھوٹے بچے والدین کو جھوٹ بولتے ہوئے دیکھیں گے تو وہ بھی جھوٹ بولنے لگیں گے۔

بہرکیف ہر حال میں فطری تقاضوں کی تکمیل کی جائے اور غیر فطری باتوں سے اجتناب کیا جائے، اسلام کہتا ہے کہ جب بچے جوان ہوجائیں تو ان کا نکاح کردیا جائے، اسلام یہ حکم اس لیے دیتا ہے کہ جوانی کے بعد جو تقاضے سامنے آتے ہیں، ان کی تکمیل نکاح کے بعد بحسن وخوبی انجام پاجاتی ہے، لیکن جوان ہونے کے باوجود شادی نہ کرنا فطری تقاضوں کی تکمیل سے رکنا ہے، جس کے غلط نتائج سامنے آتے ہیں اور ناجائز وحرام کاموں کا بھی ارتکاب ہوجاتا ہے، عجیب بات ہے کہ آج کل بیاہ شادیوں کو دیر سے کرنے کا فیشن بنالیا گیا ہے، ۳۵ رسال کی عمر میں یا اس سے زائد عمر میں شادی کرنے کا رواج عام ہوگیا ہے، جب کہ اس کو بالغ ہوئے بیس سال کا عرصہ گزر چکا ہے، اس اثنا میں نفس پر کنٹرول کرنا ہر شخص کے لیے آسان نہیں ہوتا، جو لوگ اللہ سے ڈرنے والے ہوتے ہیں وہ تو گناہ سے بچ جاتے ہیں، مگر ہر ایک کے لیے گناہ سے بچنا آسان نہیں ہوتا، اس لیے فطرت کے مطابق زندگی گزارنا انسانیت کے حق میں مفید ہے اور فطرت کے مطابق پوری زندگی گزارنے کی ایک مؤثر صورت یہی ہے کہ انسان دین اسلام پر مکمل طور سے علم پیرا ہو جائے، زندگی خود بخود فطرت کے مطابق گزرتی رہے گی، کیونکہ اسلام دین فطرت ہے اور انسان کی فطرت کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ ☆☆☆☆

سلوک واحسان

چوتھی اورآخری قسط

تصوف اور حضرت شاہ ولی اللہؒ

حضرت مولانا محمد ولی رحمانی خانقاہ مونگیر

سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حفاظت کا طریقہ بتایا: (جسے صوفیاء کی اصطلاح میں حصار کہتے ہیں)

"عن انس رضی اللّٰه عنه قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم من قال- یعنی اذا خرج من بیته- بسم اللّٰه توکلت علی اللّٰه ولا حول ولاقوة الا باللّٰه، یقال له: کفیت وهدیت ووقیت وتنحی عنه الشیطان، فیقول لشیطان آخر: کیف لك برَجُلٍ قدْ هُدیَ وكُفیَ ووُقیَ"۔

شہنشاہ کونین نے حفاظت کا جوطریقہ بتایا، وہ قرآن مجید کی آیت نہیں ہے، بلکہ الفاظ قرآنی کی نئی ترتیب ہے، یہ نئی ترتیب شیطان سے حفاظت کا ذریعہ ہے— مگر روایت میں کہیں بأمر اللہ کا لفظ نہیں ہے اور نہ وسیلہ للوقایۃ فرمایا گیا، اس لیے کہ ہر صاحب ایمان مؤثر حقیقی اللہ کو مانتا ہے۔

اس لیے حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے اصحاب الکہف کے نام لکھ دیئے اور اس کے ساتھ "امان من الغرق الخ" لکھا تو اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے، کہ وہ ان ناموں کو مؤثر حقیقی سمجھتے تھے، ان کا یہ انداز بیان وہی ہے، جس کا سرا ماضی بعید سے ملتا ہے۔

''القول الجمیل'' چونکہ طالبان راہ طریقت کے لیے ہدایت نامہ ہے، اس تذکرہ کے ذیل میں یہ باتیں آ گئیں—''القول الجمیل'' کی شکل میں حضرت شاہ صاحبؒ نے یہ عمومی ہدایت نامہ تحریر فرما دیا ہے اور اس امانت کو صفحات میں محفوظ کر دیا ہے، جو انہیں اپنے والد بزرگوار سے ملی تھی اور جو ماضی قریب وبعید کے تجربات کا خلاصہ اور ان کے خاندان کا آزمودہ نسخہ رہا ہے، لیکن اس کے ساتھ انہوں نے نہ صرف عام مسلمانوں؛ بلکہ علماء، اہل علم اور طالبان راہ طریقت کی جو رہنمائی فرمائی ہے، وہ ان کا مجتہدانہ کارنامہ ہے— انہوں نے الفاظ قرآن اور الفاظ حدیث سے دلچسپی پیدا کردی اور الفاظ سے معنی اور مفہوم تک پہنچنے کا مزاج بنایا، فتح الرحمٰن (قرآن پاک کا فارسی ترجمہ) المسوی من احادیث المؤطا (عربی) اور مصفیٰ (فارسی میں مؤطا امام مالک کی شرح) اسی انداز فکر کا نمونہ ہیں۔

آپ نے منطق وفلسفہ اور کلام کی باریک بحثوں اور غیر ضروری نکتوں پر مباحثہ کی جگہ حکمت دین وشریعت پر غور وفکر کی عملی تعلیم دی اور حجۃ اللہ البالغہ جیسی کتاب پیش کی، تاکہ وہ نمونہ کا کام کرے اور اس بنیاد پر آنے والی نسل حکمت قرآن وحدیث پر اپنی بہترین صلاحیتیں صرف کرے، وہ سمجھتے تھے کہ دین سے براہ راست رابطہ کی شکل جہاں قرآن اور حدیث کو پڑھنا، سمجھنا اور پڑھانا ہے، وہیں حکمت دین بھی بنیادی ذریعہ ہے اور یہ مرحلے تزکیہ کے مرحلے بھی ہوں گے اور پھر ان مرحلوں سے گذر کر ''تزکیہ'' کے بقیہ کام اور آسان ہو جائیں گے، یہی ترتیب خداوندی ہے، یہی طریقہ نبوی ہے اور اسی طرز وطریقہ پر صحابہ کرامؓ کے مزاج وانداز کی تعمیر وتشکیل ہوئی۔

قرآن مجید میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذمہ داری ان الفاظ میں بیان کی گئی ہے "هو الذی بعث فی الامیین رسولا منهم یتلوا علیهم

آیاته ویزکیهم ویعلمهم الکتاب والحکمة "(سورۃ الجمعہ آیت ۲)

اوردوسری جگہ اس ترتیب میں تھوڑی سی تبدیلی کے ساتھ ارشاد ہوا "یعلم الکتاب والحکمة ویزکیهم "(سورۃ البقرۃ آیت ۲۹) تلاوت آیات کو نبی کا پہلا کام قرار دیا گیا، یہ تلاوت آیات نبی کریم کی صحبت اور مجالست کے ساتھ تھی، یہ دونوں (تلاوت اور مجالست) تزکیہ کا ذریعہ ہیں اور تزکیہ کے ساتھ کتاب وحکمت کی تعلیم آسان بھی ہوگی اور بہتر بھی! وہ تزکیہ جو علم وحکمت کے بغیر ہو، بدعت وضلالت تک پہنچ سکتا ہے اور کتاب وحکمت کی ایسی تعلیم جو تزکیہ کے بغیر ہو، سرکشی، انانیت اور تکبر کا ذریعہ بن سکتی ہے، اس لیے ہدایت خداوندی کے مطابق تلاوت، تزکیہ اور علم کتاب وحکمت ان سبھوں کو یکجا کرنا چاہئے، تبھی وہ انسان تیار ہوگا، جو خدا کی مرضی کے مطابق زندگی گذارے اور اسی ترتیب کو سامنے رکھ کر سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کی تربیت فرمائی۔

حضرت شاہ صاحب نے عالم دین، عالم ربانی کے لیے جو آداب متعین کئے ہیں، ان میں پہلے نمبر پر اسی آیت کے پیش نظر یہ ہدایت دی ہے، کہ "وہ لوگوں کو تعلیم دیں اور یہ تعلیم تفسیر، حدیث، فقہ، سلوک، عقائد اور صرف ونحو کی ہو، عالم کو علم کلام اور منطق میں مشغول نہیں رہنا چاہئے" (القول الجمیل)

تصوف وسلوک یا تزکیہ کی تعلیم وتربیت کے سلسلہ میں حضرت شاہ صاحب کا یہ نقطۂ نظر صرف ان چند جملوں میں نہیں ملتا، انہوں نے تصوف کی اصطلاح "نسبت" کے سلسلہ میں لکھا— "تصوف کے جتنے طریقے اوپر بیان کئے گئے ہیں ان سب کا مقصد یہ ہے کہ طالب کے نفس ناطقہ میں ایک خاص کیفیت پیدا ہوجائے، اسی کیفیت کو صوفیائے کرام نے "نسبت" کہا ہے، اس کو نسبت کہنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ کیفیت نام ہے، اللہ تعالی سے انتساب اور ربط وتعلق کا"۔

اس نسبت یا اللہ سے خاص ربط وتعلق کو حاصل کرنے کا ذریعہ کیا ہے؟ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں: "یہ نہ سمجھنا کہ یہ نسبتیں صرف اشغال اوروظائف ہی سے حاصل ہوتی ہیں، بلا شبہ ان نسبتوں کے پانے کا ایک طریق یہ اشغال ووظائف بھی ہیں، لیکن دوسرے طریقوں سے بھی انہیں حاصل کیا جاسکتا ہے، میرے نزدیک اس مسئلہ میں رائے غالب یہ ہے کہ صحابہ کرام اور تابعین ان اشغال اور وظائف کی جگہ "سکینہ کی نسبت" دوسرے طریقوں سے حاصل کیا کرتے تھے، ان میں ایک طریقہ یہ تھا کہ وہ خلوت میں پورے خضوع خشوع کے ساتھ نمازیں پڑھتے ذکر وتسبیح کرتے، ہمیشہ پاک رہتے، موت کو ہمیشہ یادرکھتے، ثواب اور عذاب کا دھیان کرتے، جس کے نتیجہ میں مادی لذتوں سے ان کا دل ہٹ جاتا، اس طریقہ سے ان میں یہ "نسبت" پیدا ہوجاتی تھی— اس کے حصول کا ایک طریقہ یہ بھی تھا کہ وہ قرآن مجید کی تلاوت کیا کرتے تھے، اس کے معانی اور مطالب میں غور وفکر کرتے رہتے تھے، وہ وعظ ونصیحت سنتے اور دل کو نرم کرنے والی حدیث سنتے تھے اور وہ ان چیزوں کو مدت دراز تک باقاعدگی کے ساتھ کرتے رہتے تھے، اس سے ان کے اندر ایک ملکہ اور نفسی کیفیت پیدا ہوجاتی تھی اور وہ لوگ آخر عمر تک اس کیفیت کی حفاظت کیا کرتے تھے— یہ ہے کیفیت جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہمارے مشائخ کے ذریعہ وراثۃً چلی آرہی ہے۔ (القول الجمیل)

حصول نسبت کے لیے حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں تین طریقے بیان کئے، صوفیائے کرام کے اورادووظائف، اعمال واشغال کا طریقہ اور آپ نے اس کی بھرپور تائید کی ہے، پھر صحابہ کرام اور تابعین عظام کے دو طریقے بتائے ہیں، جو صوفیائے کرام کے طریقے سے بالکل الگ نہیں ہیں، مگر دونوں میں فرق ہے، نسبت کے حصول کے لیے صحابہ کرام کا دوسرا طریقہ وہی بتایا گیا ہے، جس کی تعلیم حضرت شاہ صاحبؒ نے دی اور اپنے علم وفکر، تجربہ ومشاہدہ تصنیف وتالیف کے ساتھ عمل کے ذریعہ جسے پھیلایا اور لوگوں تک پہنچایا، انہوں نے "عالم" اور "صوفی" کے فاصلہ کو مٹانے کی کوشش کی اور ایسے "عالم ربانی" کی تعلیم وتربیت کی، جو عالم بھی ہو صوفی بھی ہو، خود شناس بھی، خدا شناس بھی، باہمہ بھی، بے ہمہ بھی ﴿بقیہ صفحہ ۴۱ پر............﴾

شعر وادب

اقبال کے کلام میں ''سینا'' اور ''سینائی'' سے ترتیب دیئے گئے اشعار کی معنویت قرآن کی روشنی میں

محمد بدیع الزماں، ریٹائرڈ ایڈیشنل ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ پھلواری شریف پٹنہ

میرے مطالعہ کے مطابق اقبال کے کلام میں ۶۵ر جغرافیائی اصطلاحات ہیں، انہوں نے اپنے کلام میں ان ہی ملکوں، شہروں، وادیوں، دریاؤں اور پہاڑوں کو بطور جغرافیائی اصطلاحات استعمال کیا ہے، جن سے اسلام اقبال کے عہد سے قبل یا اقبال کے عہد تک وابستہ تھا، ایسی ہی اصطلاحوں میں ''سینا'' اور ''سینائی'' کی اصطلاحیں بھی ہیں جو اس مضمون میں موضوع گفتگو ہیں۔

سینا

''سینا'' کوہ طور کو کہتے ہیں اور اسے سورۃ التین میں ''سینین'' بھی کہا گیا ہے، یہ جزیرہ نمائے سینائی کا دوسرا نام ہے، اس پہاڑ کی اونچائی ۲۶۰۳۷ر فٹ ہے، یہ جزیزہ مصر کا حصہ ہے جو خلیج سوئز سے مشرق اور اردن کے مغرب اور بحیرۂ روم کے جنوب میں واقع ہے، نہر سوئز اسی کے کنارے واقع ہے، سورۃ التین کی آیت ۲ر میں خدائے تعالی نے طور سنین کی بھی قسم کھا کر اپنی بات کہی ہے، سورۃ المومنون کی آیت ۲۰ر میں خدائے تعالی نے ''طور سینا'' کا بھی ذکر فرمایا ہے، جسے اقبال نے اصطلاح کے طور پر استعمال کیا ہے جو شعر میں آگے آرہا ہے۔

اس طور کی اہمیت اسلامی تاریخ میں حضرت موسیٰؑ کے دوبار اسی طور پر خدا سے ہمکلامی کرنے اور اسی دوبار میں دوسری بار تجلی کے واقعہ کی وجہ کر ہے، خدا سے حضرت موسیٰؑ کی ہمکلامی کے دو الگ الگ واقعات ہیں، پہلا واقعہ تفصیلی طور پر سورۂ طٰہٰ کے رکوع ۱ر سورۃ القصص کے رکوع ۴ر اور سورۃ النمل کے رکوع ۱ر میں وارد ہے، دوسرا واقعہ جس میں ہمکلامی کے ساتھ تجلی اور توراۃ عطا کرنے کا واقعہ پیش آیا سورۃ الاعراف کے رکوع ۱۷ر میں وارد ہے، یہ دونوں واقعے کوہ سینا پر ہوئے تھے۔

اقبال نے ''موسیٰ'' کو بھی اپنے کلام میں چار اشعار میں بطور اصطلاح استعمال کیا ہے، جن میں تین ''بانگ درا'' کی نظمیں ''بلال'' (بعد از نظم ''چاند'')، ''جواب شکوہ'' بارہواں بند اور ''خضر راہ کی ذیلی نظم ''سلطنت'' میں ہیں اور ایک شعر ''ضرب کلیم'' کی غزل (بعد از نظم فقر و راہبی' میں ہے)۔

مگر اقبال نے اپنے سارے کلام میں ان چار اشعار کو چھوڑ کر ہر جگہ حضرت موسیٰ کا نام نہ لے کر انہیں ان کے لقب ''کلیم'' سے نوازا ہے، جس سے انہوں نے کئی اصطلاحیں وضع کی ہیں جیسے ''کلیموں''، ''کلیم اللہ، کلیم اللٰہی، کلیمی، ضرب کلیمی'' اور چوب کلیم'' جن سے بہت سارے اشعار ہیں۔

''سینا'' اور ''سینائی'' سے ترتیب دیئے گئے اشعار میں اقبال نے ''کلیم'' کی اصطلاح لائی ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ''کلیم'' کے لقب سے اس لیے نوازا جاتا ہے، کیونکہ خدائے تعالی کا خود ارشاد ہے کہ ''ہم نے اس (حضرت موسی علیہ السلام) کو طور کی داہنی جانب سے پکارا اور راز کی گفتگو سے اس کو تقرب عطا کیا'' (مریم ۵۲)

جب وہ (حضرت موسیٰ) ہمارے مقرر کئے ہوئے وقت پر (کوہ سینا) پر پہنچا اور اس کے رب نے اس سے کلام کیا (الاعراف ۱۴۳)

''ہم نے موسی سے اسی طرح گفتگو کی جس طرح گفتگو کی جاتی ہے'' (سورۂ نسآء ١٦٤)

اس ہمکلامی کا مجملاً ذکر سورۃ البقرہ کی آیت ٢٥٣ میں وارد ہے۔

''سینا'' کی اصطلاح سے اقبال کے کلام میں کل پانچ اشعار ہیں اور ''طورسینا'' سے دو اشعار ہیں جو دونوں ذیل میں سب سے آخر میں ہیں، یہ سات اشعار یہ ہیں:

وہ دانائے سُبل، ختم الرّسل، مولائے کل جس نے
غبار راہ کو بخشا فروغِ وادیٔ سینا

(بال جبریل ''غزل ا- دوم)

تو کہاں ہے اے کلیم ذروۂ سینائے علم ☆ تھی تری موجِ نفس بادِ نشاط افزائے علم

(بانگ درا، نالۂ فراق)

بندے کلیم جس کے، پربت جہاں کے سینا ☆ نوح نبیؑ کا آ کر ٹھہرا جہاں سفینہ
میرا وطن وہی ہے، میرا وطن وہی ہے

(بانگ درا، ہندوستانی بچوں کا قومی گیت)

خیمہ زن ہو وادیٔ سینا میں مانند کلیم ☆ شعلۂ تحقیق کو غارت گر کاشانہ کر

(بانگ درا، شمع اور ''شاعر'' ساتواں بند)

ایک دن اقبال نے پوچھا کلیم طور سے ☆ اے کہ تیرے نقشِ پا سے وادیٔ سینا چمن
آتش نمرود ہے اب تک جہاں میں شعلہ ریز ☆ ہو گیا آنکھوں سے پنہاں کیوں تیرا سوزِ کہن
تھا جوابِ صاحبِ سینا کہ مسلم ہے اگر
چھوڑ کر غائب کو تو حاضر کا شیدائی نہ بن

(بانگ درا، ''کفر واسلام'')

ایک جلوہ تھا کلیم طورِ سینا کے لیے ☆ تو تجلی ہے سراپا چشم بینا کے لیے

(بانگ درا، ہمالہ)

دلِ طور سینا وفاراں دو نیم ☆ تجلی کا پھر منتظر ہے کلیم

(بال جبریل ''ساقی نامہ'' دوسرا بند)

''سینا'' سے ترتیب دیئے گئے پہلے شعر میں ''غبار راہ'' سے مراد ادنی انسان اور ''فروغ وادیٔ سینا'' سے اصطلاحاً مراد خدا تک پہنچنے کا راستہ اور مقرب بارگاہ خداوندی ہونا ہے، اس شعر میں اقبال نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور نذرانۂ عقیدت پیش کرتے ہوئے مسلمانوں کو تلقین کی ہے کہ رسول اللہ کی غلامی قبول کر لینے پر ایک مومن مقرب بارگاہ خداوندی ہو سکتا ہے۔

''سینا'' سے ترتیب دیا گیا دوسرا شعر نظم ''نالۂ فراق'' کا ہے، جس کے تحت العنوان اقبال نے خود لکھا ہے: (آرنلڈ کی یاد میں) اقبال نے یہ نظم لاہور کے مقامی کالج کی طالبعلمی کے زمانہ میں ١٩٠٤ء میں لکھی تھی۔

ڈاکٹر سرٹامس آرنلڈ ایم، اے، او کالج علی گڈھ جو بعد میں علی گڈھ مسلم یونیورسٹی بنا) میں ١٨٨٨ء میں پروفیسر مقرر ہوئے، چونکہ وہ عربی زبان کا بھی شوق رکھتے تھے، اس لیے انہوں نے مولانا شبلی نعمانی سے جو اس زمانہ میں اسی کالج میں فارسی اور عربی کے پروفیسر تھے عربی ادب کی بعض اونچی کتابیں پڑھیں۔

١٨٩٧ء میں انہوں نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب ''Preachings of Islam'' شائع کی، جسے انہوں نے بیس سال میں تکمیل کو پہنچایا تھا اور اس میں تاریخی شواہد کی بنا پر ثابت کیا تھا کہ اسلام دنیا میں تلوار کے زور پر نہیں؛ بلکہ اپنی ذاتی خوبیوں کی وجہ کر پھیلا، جب سرسید نے اس کتاب کو دیکھا تو کہا کہ یہ کام کبھی ہمیں کرنا چاہئے تھا، جو ایک غیر مسلم نے کیا اور اسی وقت عنایت اللہ دہلوی کو اس کتاب کے اردو ترجمہ پر مامور کر دیا، چنانچہ ١٨٩٦ء میں اس کا ترجمہ ''دعوت اسلام'' کے نام سے شائع ہوا۔

١٨٩٧ء میں ڈاکٹر آرنلڈ علی گڈھ سے لاہور آئے اور یہاں اقبال کو ان کی شاگردی کا فخر حاصل ہوا، ١٩٠١ء میں ڈاکٹر آرنلڈ نے ''تفسیر کبیر'' کی ضخیم آٹھ جلدوں کا مطالعہ کرنے کے بعد ان کے اقتباسات کتاب کی شکل میں جمع کیا، ١٩٠٤ء کے شروع میں ڈاکٹر آرنلڈ ولایت واپس چلے گئے اور ''انڈیا آفس'' میں لائبریرین مقرر ہو گئے، اور ١٩٠٢ء میں لندن یونیورسٹی کے ''اسکول آف اور'' اور ''ینٹل اسٹڈیز'' میں عربی کے پروفیسر مقرر ہو گئے، ان کا انتقال

۱۹۳۰ء میں ہوا۔

اس شعر میں اقبال نے اپنے استاد ڈاکٹر آرنلڈ کو ''ذروۂ سینائے علم'' کے لقب سے نوازا ہے، ''ذروہ عربی زبان میں پہاڑ کی چوٹی کو کہتے ہیں اور اقبال نے اس پہاڑ کو کوہ سیناء سے مماثلت دی ہے، اس شعر میں ''کوہ سینا'' کی رعایت سے ''کلیم'' کا لفظ لایا گیا ہے۔

''سینا'' سے ترتیب دیئے گئے تیسرے شعر میں ''بندے کلیم جس کے'' سے مراد یہ ہے کہ قدیم زمانہ میں ہندوستان کے باشندوں نے عرفان الٰہی حاصل کرلیا تھا، دوسرے مصرعہ میں ''نوح نبی کا آ کر ٹھہرا جہاں سفینہ'' کی بات اس لیے لائی گئی ہے، چونکہ زمانۂ قدیم میں مشہور تھا کہ حضرت نوحؑ کا سفینہ ہندوستان کے کسی پہاڑ کی چوٹی پر آ کر ٹھہرا تھا اور اسی مناسبت سے اقبال نے ہند کے پربت ہمالہ کو کوہ سینا سے مماثلت دے دی ہے۔

اقبال نے یہ نظم ''ہندوستانی بچوں کا قومی گیت'' ۱۹۰۵ء کے قبل لاہور کالج کی طالب علمی کے زمانہ میں لکھی تھی، جس وقت ان کی عمر ۲۲/ یا ۲۳/ سال کی رہی ہوگی اور اس صغر سنی میں وہ قرآنی قصوں پر اتنا عبور شاید نہ رکھتے تھے، اس لیے اقبال نے یہ روایت اپنالی، مگر قرآن کی رو سے یہ روایت غلط ہے، کیونکہ حضرت نوحؑ کی کشتی کے ٹھہرنے کی جگہ سورۂ ہود کی آیت ۴۴/ میں جودی بتائی گئی ہے، طوفان نوحؑ اور سفینۂ نوح کا ذکر سورۂ ہود کے رکوع ۳/ اور ۴/ اور سورۃ العنکبوت کی آیات ۱۴/ اور ۱۵/ میں وارد ہے، سورۂ ہود کی آیت ۴۴/ میں ارشاد ہے۔

حکم ہوا: ''اے زمین اپنا سارا پانی نگل جا اور اے آسمان رک جا، چنانچہ پانی زمین میں بیٹھ گیا، فیصلہ چکا دیا گیا، کشتی جودی پہاڑ پر ٹک گئی، (واستوت علی الجودی) اور کہہ دیا گیا کہ دور ہوئی ظالموں کی قوم''۔

جودی پہاڑ کردستان کے علاقہ میں جزیرۂ ابن عمر کے شمالی مشرق جانب واقع ہے، جبل الجودی، آ-ا-اط کے سلسلہ کوہستان کا ایک پہاڑ ہے، جو آج بھی جودی کے نام سے مشہور ہے، قدیم تاریخوں میں کلدانی روایات کی بنا پر بھی کشتی نوحؑ کے ٹھرنے کا مقام جودی ہی بتایا گیا ہے، ارسطو کے ایک شاگرد نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ اس کے زمانے میں عراق کے بہت سے لوگوں کے پاس اس کشتی کے ٹکڑے محفوظ ہیں، جنہیں وہ گھول گھول کر بیماروں کو پلاتے ہیں۔

''سینا'' سے ترتیب دیئے گئے چوتھے شعر میں اقبال مسلمانوں کو یہ تلقین کرتے ہیں کہ تو بھی کلیم یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح وادیٔ ایمن میں خیمہ زن ہو کر اپنی خودی کو تزکیۂ نفس کے ذریعے پایۂ تکمیل تک پہنچا کر خود کو اسلامی رنگ میں رنگ لے اور اس طرح قرآن اور حدیث کا صحیح علم حاصل کرلے، علاوہ ازیں اس علم کی بدولت کورانہ تقلید اور جاہلانہ رسوم کو ''غارت گر کاشانہ'' کر یعنی ان کی پیروی سے اجتناب کر، دوسرے مصرعہ میں اقبال نے سورۂ بنی اسرائیل کی درج ذیل آیت ۳۶/ کی ترجمانی کی ہے، فرمایا گیا ہے۔

''کسی ایسی چیز کے پیچھے نہ لگو جس کا تمہیں علم نہ ہو''

''سینا'' سے ترتیب دیئے گئے پانچویں شعر کے قبل دو اشعار ہیں یہ نظم اقبال اور حضرت موسیٰ کے درمیان مکالمہ کے طور پر ہے، اقبال نے ایک دن ''کلیم طور'' یعنی موسیٰ سے پوچھا کہ ''آتش نمرود'' یعنی کفر یا بت پرستی تو ہر جگہ موجود ہے، لیکن خدا کا جلوہ کہیں نظر نہیں آتا، اس کی کیا وجہ ہے، تو ''صاحب سینا'' یعنی موسیٰ نے جواب دیا کہ: اے اقبال اگر تو مسلم ہے تو ایمان بالغیب کی تعلیم کو مدنظر رکھ، اللہ نے مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ وہ غائب پر ایمان لائیں، یعنی اس خدا پر جو آنکھوں سے نظر نہیں آتا، اس شعر میں ''حاضر'' سے کفر یا بت پرستی مراد ہے، جو نظروں کے سامنے موجود ہوتا ہے، اقبال نے ایمان بالغیب کی تلقین کر کے سورۂ بقرہ کی درج ذیل آیت ۳/ کو ذہن نشین کرایا ہے، جس میں فرمایا گیا ہے، کہ یہ کتاب (یعنی قرآن) ہدایت ہے ان لوگوں کے لیے جو غیب پر ایمان لاتے ہیں، (یومنون بالغیب) جو ایمان کی زنجیر کی پہلی کڑی ہے۔

چھٹا شعر ''طور سینا'' سے ترتیب دیا گیا پہلا شعر ہے، اس شعر میں اقبال نے کوہ ہمالہ کو طور سینا سے مماثلت دے کر عقلمندوں کی نگاہ میں اسے بھی قدرت خداوندی کی ایک اور مثال اس کے وجود کو ذہن نشیں کرانے کے لیے پیش کی ہے۔

ساتویں شعر میں جو ''طور سینا'' سے ترتیب دیا گیا دوسرا شعر ہے ''دل طور سینا و فاراں'' سے مراد مسلمانوں کے دینی عقائد ہیں اور ''ودنیم'' سے مراد ان عقائد کا منتشر ہو جانا یا عقائد میں تزلزل آ جانا، اس شعر کے پہلے مصرعہ میں اقبال نے 'سینا'' کے ساتھ ''فاران'' کی جغرافیائی اصطلاح بھی لائی ہے، جس سے ان کا مقصد مسلمانوں کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات اور رسول اللہ کے ارشادات ذہن نشیں کرانا ہے، فاران مکہ مکرمہ کی ایک پہاڑی کا نام ہے، دوسرے مصرعہ میں اقبال مسلمانوں کو ان کی تعلیمات کو اپنی زندگی کا حصہ بنانے کی تلقین کرتے ہیں۔

سینائی

اقبال نے ''سینا'' سے ایک اصطلاح ''سینائی'' بھی وضع کی ہے، جس سے کلام میں کل درج ذیل تین اشعار ہیں:

شرارے وادیٔ ایمن کے تو بوتا تو ہے لیکن
نہیں ممکن کہ پھوٹے اس زمیں سے تخم سینائی

(بانگ درا، تضمین بر شعر صائب)

کب تلک طور پہ دریوزہ گری مثل کلیم
اپنی ہستی سے عیاں شعلۂ سینائی کر

(بانگ درا، غزلیات حصہ سوئم، چوتھی غزل)

خالی ہے کلیموں سے یہ کوہ و کمر ورنہ
تو شعلۂ سینائی، میں شعلۂ سینائی

(بال جبریل، لالۂ صحرا)

''سینائی'' سے ترتیب دیئے گئے پہلے شعر میں اقبال خود سے مخاطب ہیں، اس شعر میں ''اس زمیں سے مراد مسلم قوم اور ''تخم سینائی'' سے مراد اللہ کی محبت کا جذبہ ہے، پہلے مصرعہ میں ''شرارے'' سے مراد اسلامی تعلیمات ہیں، اس شعر میں اقبال خود سے کہہ رہے ہیں، کہ تو مسلمانوں کے دلوں میں اسلام کی محبت اور اس کی تعلیمات کا بیج تو بو رہا ہے، مگر یہ تخم بار آور اس لیے نہیں ہو سکے گا، کہ مسلم قوم بے حس ہو چکی ہے۔

''سینائی'' سے ترتیب دیئے گئے دوسرے شعر میں اقبال مسلمانوں کو یہ باور کراتے ہیں کہ اگر انسان سچے دل سے خدا کی محبت اختیار کرلے تو طور پر جانے کی ضرورت نہیں ہوگی؛ کیونکہ عاشق خود مہبطِ انوار الٰہی بن جائے گا اور اس کی شخصیت دوسروں کے لیے خود نمایاں بن جائے گی، وہ در پردہ یہ بھی ذہن نشیں کراتے ہیں کہ اللہ کی محبت صرف عشق رسولؐ میں گرویدگی پر منحصر ہے (آل عمران ۳۲/۳۱)

''سینائی'' سے ترتیب دیئے گئے تیسرے شعر میں اقبال ایک لالۂ خود رو (صحرائی) سے مخاطب ہیں، جس پھول میں داغِ جگر رہتا ہے، اس شعر میں ''کلیموں'' سے مراد اصحاب ذوق و ارباب نظر ہیں اور ''شعلۂ سینائی'' سے مراد مظہر ذات باری ہے ''کوہ وکمر'' سے مراد دنیا ہے، اقبال تاسف کرتے ہیں کہ یہ دنیا اصحاب ذوق و ارباب نظر سے خالی ہے، ورنہ پھر تو مظہر ذات باری ہے اور مجھ میں بھی اس کا عکس نظر آتا ہے۔

نمونہ انبیاء کا بن، سلف سے کر سبق حاصل
کہ منزل سخت لگتی ہے نہیں جب روشنی ہوتی

اس دل پہ خدا کی رحمت ہو جس دل کی یہ حالت ہوتی ہے
اک بار خطا ہو جاتی ہے، سو بار ندامت ہوتی ہے

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

تاریخ اسپین

تیسری اور آخری قسط

☆ اندلس کے بیالیس معروف تاریخ داں ☆

جناب محمد زکریا ورک (کنگسٹن کینیڈا)

(۲۲) لسان الدین ابن الخطیب (74-1313) کی فیملی قرطبہ کی رہنے والی تھی، مگر اس کی پیدائش غرناطہ کے مغرب میں واقع قصبہ لوجہ میں ہوئی، اس کے والد نے ناصریہ خاندان کے مختلف انتظامی عہدوں پر فائز ہو کر خدمات سرانجام دیں، مگر (1340ء) میں وہ شہر پر عیسائیوں کے حملہ کے دوران تہ تیغ کر دیا گیا، سلطنت غرناطہ کے حکمراں نے 27 سالہ لسان الدین کو حکومت کے شعبہ ''دیوان الانشاء'' میں سکریٹری کے عہدہ پر مامور کیا، مگر جلد ہی اس کی صلاحیتوں کے پیش نظر اس کو وزیر بنادیا گیا۔ سلطنت کے حکمران کا وہ وزیر خاص اور مشیر مقرر ہوا، پھر اسے سفیر کے طور پر غیر ممالک میں بھیجا گیا، آپ کو ''ذوو زارتین'' کا لقب دیا گیا، یعنی دو قسم کا وزیر ایک تو سیاسی اور دوسرا قلم کا، مگر اس کے سیاسی اثر، دولت کی فراوانی اور ترقی نے اس کے بہت سے دشمن بھی پیدا کر دئے، خاص طور پر اس کا شاگرد ابن زمراک جس نے اس پر ایک سازش کے ذریعہ تکفیر کا الزام عائد کرنے کی کوشش کی، اسے فاس کے شہر میں جلا وطن کر دیا گیا، وہاں سے نارتھ افریقہ، یہاں جیل میں وطن مالوف میں اس کے خلاف ہونے والی سازشوں کی وجہ سے کسی نے اسے گلا گھونٹ کر راہی ملک بقا کر دیا۔

آپ چودھویں صدی کی سب سے کہنہ مشق تاریخ داں اور ادبی شخصیت تھے، آپ نے علم تاریخ، جغرافیہ، طب اور فلاسفی پر ساٹھ کتابیں لکھیں، ایک بیوگرافیکل ڈکشنری بھی لکھی اور ایک نظم (ارجوزہ) میں اسلامی اسپین کی تاریخ بیان کی، غرناطہ کی تاریخ پر آپ کی کتاب ''الاحاطہ فی تاریخ الغرناطہ'' (1319) میں قاہرہ سے منظر عام پر آئی تھی، میڈیسن میں آپ کی کتاب ''الیوسفی'' دو جلدوں میں ہے، سیاسی ذمہ داریوں کے باوجود لسان الدین، نے بطور طبیب، فلاسفر، شاعر مؤرخ اور مدبر سیاست داں کے طور پر نام پیدا کیا، اس نے میوزک، میڈیسن، صوفی ازم، سیاست، سفرناموں اور تاریخ پر پچاس سے زیادہ کتابیں لکھیں، اگرچہ ان میں سے اکثر کتابیں امتداد زمانہ سے تلف ہو چکی ہیں، مگر جو محفوظ رہی ہیں ان سے ثابت ہوتا ہے، کہ وہ دنیا کے عظیم ادیبوں میں سے تھا، اندلس پر اس نے متعدد کتابیں لکھیں، خاص طور پر غرناطہ پر اس کی کتاب معلومات کا خزانہ ہے، اس کے اقوال زریں میں سے ایک بہت مشہور ہے Were It not for history, Virtue Would die with its possessors.) اس کی کتابوں کے بیش قیمت مسودات اسکوریال کی لائبریری میں موجود ہیں۔ ''الکتیبۃ الکامنۃ فی اھل الثمینۃ'' میں اس نے آٹھویں صدی ہجری کے 103 وزیروں، شاعروں، خطیبوں، فقیہوں، قرآن مجید کے قاریوں اور سکریٹریز کے بیوگرافیکل سکیچز پیش کئے ہیں، اس کی خود نوشت سوانح عمری کا نام ''نفادات الجراب فی علالات الاغتراب'' ہے اس کے علاوہ اس کی دو اہم اور پر از معلومات کتابیں ''عمل العالم'' اور ''احاطہ'' ہیں، عمل العالم کا وہ حصہ جس میں اندلس کے حالات ہیں، اسے بیروت سے (1956ء) میں LeviProvencal نے ایڈٹ کر کے شائع کیا تھا، اسلامی ریاستوں کی تاریخ پر اس کی دوسری کتاب ''رقم الحلل فی نظم الدول'' ہے جس کا مسودہ اسکوریال (نمبر 1776) میں موجود ہے، یہ تیونس سے (1926) عیسوی میں منظر عام پر آئی تھی، جس کتاب نے اس کے نام کو لازوال بنادیا، اس کا نام ''احاطہ فی اخبار غرناطہ'' ہے، جس میں اس نے غرناطہ کے طبقہ اشراف جیسے قاضیوں،

قاریوں، علماء، شاعروں، صوبائی گورنروں، محدثوں، صوفیوں، نیک افراد، زاہدوں، ادیبوں، بلکہ غریبوں کے اسماء تہجی وار دئے ہیں، یہ کتاب قاہرہ سے (1955ء) میں محمد عبداللہ عنان نے دو جلدوں میں شائع کی تھی۔

(۲۳) اندلس کی وہ قدآور، عہد ساز شخصیت جس کی مشرق و مغرب کے تمام اسکالرز رطب اللسان ہوگئے، اس کا نام عبدالرحمٰن ابن خلدون ہے (1406-1332) وہ انتھروپالوجی کے علم کا باوا آدام تسلیم کیا جاتا ہے، اس نے اس علم کو عمران البشری کا نام دیا، علم تاریخ کا وہ باریک نگاہ والا فلاسفر تھا، یہ کہنے میں کوئی مبالغہ نہیں کہ وہ بلا شبہ علمی دیوتا Intellectual giant تھا، اس کی پیدائش تیونس میں ہوئی، جہاں اس کی فیملی اشبیلہ سے ہجرت کرکے آباد ہوئی تھی، بچپن میں ہی اس نے منطق، میٹافزکس اور دینی تعلیم حاصل کی (1345ء) میں اس کے والدین طاعون سے ہلاک ہوگئے، تو اس کو شاہی دربار میں بطور مہر بردار کے ملازمت مل گئی (1362ء) میں وہ غرناطہ ہجرت کرگیا، جہاں اس کا استقبال حکمران وقت اوراس کے وزیر ابن الخطیب نے گرمجوشی سے کیا، یہاں حالات سازگار نہ ہوسکے تو واپس تیونس آگیا، جہاں وہ حکمران وقت کا حاجب (چیمبرلین) مقرر ہوگیا، یہاں محلاتی سازشوں سے تنگ آکر نیز گرفتاری سے محفوظ رہنے کے لیے وہ الجیریا کے نخلستان بسکارہ میں آباد ہوگیا، یہاں مکمل تنہائی میں اس نے وہ جلیل القدر کتاب قلم بند کی جس سے اس کا نام لازوال ہوگیا، یعنی المقدمہ (1382ء) میں وہ حج کی غرض سے ملک سے روانہ ہوا اور پھر لوٹ کر نہ آیا، اگلے ۲۴ سال وہ مصر میں رہا جہاں وہ الازہر یونیورسٹی میں پروفیسر مقرر ہوا، مالکی فقہ کا قاضی بنا، (1401ء) میں وہ تیمورلنگ کے دربار میں بطور سفیر کے بھیجا گیا، جو اس وقت شام پر قبضہ کرکے مصر پر حملہ آور ہونے کا عزم کررہا تھا۔

اس کی افتادِ طبع کا نتیجہ "کتاب العبار و دیوان مبتداج والخبار فی ایام العرب والعجم والبربر" سات جلدوں میں ہے، پہلی جلد مقدمہ التاریخ پر مشتمل ہے، جو فی الحقیقت علم تاریخ کا ماسٹر پیس اور اس کی فکر و بصیرت کا آئینہ دار ہے، یاقوت و مرجان سے زیادہ اس بیش بہا کتاب نے اس کی شخصیت کو مینارۂ نور بنادیا، انیسویں صدی میں اس کا ترجمہ فرانچ میں ہوا اور (1958ء) میں اس کا انگلش ترجمہ منصۂ شہود پر آیا۔

لٹریری ہسٹری کی کتابیں

(۲۴) ابن عبدربہ (940-860) خلیفہ عبدالرحمٰن الثانی کا درباری شاعر تھا، اس نے کتاب "عقد الفرید" لکھی جو اندلس کے حکمرانوں کی گورنمنٹ، ان کی سوشل ہسٹری اور علمی وادبی اور ثقافتی سرگرمیوں پر معلومات کا خزانہ ہے۔

(۲۵) ابن مغیث (963-898) خلیفہ الحکم الثانی کا مرغوب تاریخ داں تھا، وہ زاہدانہ عادات اور خصلتوں کی وجہ سے مشہور تھا، قرطبہ میں قاضی کے عہدہ پر فائز رہا، اپنے سرپرست کی خواہش پر اس نے مشرق ومغرب کے خلفاء کی شاعری پر ایک کتاب ترتیب دی۔

(۲۶) اس کے ہم عصر ابن فراج الجیانی (وفات ۹۷۰ء) نے کتاب "الحدائق" تصنیف فرمائی، جو خلیفہ الحکم الثانی کے نام سے منسوب تھی، یہ کتاب مشرق کے اسکالر ابن داؤد الاصفہانی کی کتاب "الزہراء" کے نمونہ پر لکھی گئی تھی، کتاب الحدائق کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ اس کے دوصد ابواب تھے، اور ہر باب دوصد اشعار پر مشتمل تھا، کتاب میں صرف اندلس کے شعراء کا تذکرہ موجود تھا۔

(۲۷) ابوالولید الحمیاری (وفات 1048ء) جو اشبیلہ کا رہنے والا تھا، اس نے موسم بہار کے اوصاف پر "کتاب البدیع فی وصف الربیع" لکھی، کتاب میں اندلس کے ایسے شعراء کا کلام دیا گیا تھا جنہوں نے موسم بہار اور پھولوں کو اپنا موضوع سخن بنایا تھا۔

(۲۸) ابن بسام (وفات 1147ء) کی پیدائش پرتگال کے متمول مسلمان خاندان میں ہوئی (1100ء) میں وہ قرطبہ ہجرت کرآیا اور قلم کو ذریعہ معاش بنالیا، اس کی تمام کتابوں میں سے سب سے اہم کتاب اندلس کی ادبی تاریخ پر "الداخرہ" (خزانہ 1109ء) تھی۔ جس کا ادبی اسٹائل اور طرز بیان منفرد تھا، یہ معلومات کا نادر اور نایاب خزانہ تھی، اس میں منتخب نظمیں دی گئیں تھیں، کتاب کو بجائے تاریخ یا حروف تہجی کے اندلس کے

مختلف خطوں کی نسبت سے چار حصوں میں تقسیم کیا گیا تھا، کتاب میں اندلس کے ممتاز اہل قلم کی ۱۲۶ ار معروف نظمیں پیش کی گئیں تھیں، ہر شاعر کی سوانح عمری، اس کے کلام کے اوصاف اور پھر اس کی نظم یا نثر کا اعلی نمونہ دیا گیا تھا ''الداخرہ'' کا مکمل ایڈیشن تو اب کہیں دستیاب نہیں؛ البتہ اس کے کچھ حصے قاہرہ سے (45-1939) میں شائع ہوئے تھے۔

(۲۹) غرناطہ کے قریب پیدا ہونے والے ابن خاقان نے کتاب ''قلائد'' ترتیب دی، جس میں اندلس کے ٦٦ نمایاں شعراء کا کلام اور ان کی زندگی کے واقعات دئے گئے تھے، خاص طور پر ایسے شعراء جو طوائف المملو کی کے دور میں پیدا ہوئے، ''قلائد'' چار حصوں میں تقسیم ہے، پہلے حصے میں ممتاز حکمرانوں، شرفاء اوران کے بیٹوں کے اوصاف دئے گئے ہیں، دوسرے حصہ میں وزراء، خطیبوں اور شاعروں کی شاعری پیش کی گئی ہے، تیسرا حصہ قاضیوں اور علماء پر مشتمل ہے اور چوتھے حصہ میں ادیبوں اور شاعروں کا کلام۔

(۳۰) اندلس کے اہل قلم نے ممتاز قاضیوں، اطباء اور سکریٹریز کی بیوگرافیکل ڈکشنریز (اسماء الرجال) بھی ان کے پروفیشن کے مطابق ترتیب دیں، الزبیدی نے اندلس کے مشہور گرائمر نویسوں اور لغت نویسوں پر، ابن جلجل نے مشہور اطباء پر اور ابن البر نے قرطبہ کے فقہاء پر ڈکشنریز کو مدون کیا، محمد ابن حارث الخوشانی (وفات 971ء) نے فقہاء اور حدیث کے راویوں پر کتاب ''تاریخ قدت قرطبہ'' (ہسٹری آف ججز آف قرطبہ) لکھی، کتاب میں اندلس کی فتح (711) سے لے کر (968ء) تک کے قانونی مسائل وامور اور قاضی کے عہدہ پر روشنی ڈالی گئی ہے، کتاب مصنف کی گل افشانی گفتار کا شاہکار ہے۔

(۳۱) ابوعلی الصدفی (وفات 1121ء) سرقسطہ Saragosa کے شہر کا رہنے والا تھا۔ بطور پروفیشن کے وہ ایک ممتاز قاضی تھا، اس کی سوانح عمری (یعنی معجم) ابن الآبار نے ترتیب دی، جس میں اس کے شاگردوں اور پیروکاروں کا ذکر کیا گیا تھا۔

(۳۲) ابن خیر کی پیدائش اشبیلہ کے شہر میں (1109ء) میں ہوئی اور وفات قرطبہ میں (1180ء) میں۔ اس نے اندلس کے بڑے بڑے شہروں میں وہاں کے معزز علماء سے اہم اور مبسوط کتابوں کا درس لیا، اس کے بعد اس نے ایک کتاب ''فہراسہ'' لکھی جو 1040 کتابوں کی کیٹیلاگ ہے، اس میں کتابوں کا تذکرہ اور خلاصے دئے گئے ہیں، یہ تمام کی تمام کتابیں اس نے معتبر استادوں سے پڑھی تھیں۔

(۳۳) الحجاری نے چھ جلدوں پر مشتمل کتاب لکھی جس میں اندلس کی فتح سے لے کر (1135ء) تک مغرب کے عالم فاضل احباب کی سوانح عمریاں دی گئیں تھیں۔ اگرچہ یہ کتاب ناپید ہو چکی ہے، مگر ابن سعید المغربی نے اس سے خوب استفادہ کیا۔

(۳۴) الدابی نے تمام عمر ''مرسیہ'' کے شہر میں گزاری، اس نے ایک اہم کتاب لکھی جس کا نام " بغایته الملتمس فی تاریخ رجال الاندلس" تھا کتاب میں اندلس کے فقہاء، قاضیوں اور شاعروں کی سوانح عمریاں دی گئیں تھیں۔

(۳۵) الحومیدی نے بھی ایک بیوگرافیکل ڈکشنری لکھی جس کا نام ''جزوات المقتبس'' تھا۔

عبداللہ ابن علی الرشاطی (وفات 1147ء) نے آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے شجرہ نسب پر کتاب "اقتباس الانوار ولتماس الازھار انساب الصحابه وروحة الاثار" لکھی۔

(۳۶) ابراہیم ابن علی فرحون (وفات 1397ء نے فقہاء کی سوانح عمریوں پر کتاب " الديباج المذهب فی معرفت عيان علماء المذهب " لکھی جو قاہرہ سے (1351) ہجری میں شائع ہوئی تھی۔

(۳۷) ابن الفرضی (1013-962) کی پیدائش قرطبہ میں ہوئی، ویلنسیا کے شہر میں وہ قاضی کے عہدہ پر فائز ہوا (992) میں وہ حج کرنے گیا، اس نے کتاب تاریخ علماء اندلس لکھی، جس کو ماڈل بنا کر آئندہ کئی نسلوں کے عالم اور دانشور اس نوعیت کی کتابیں لکھتے رہے، اس کے علاوہ اس نے اندلس کے شاعروں پر ایک کتاب اور دوسری کتاب اندلس کے احادیث کے راویوں پر لکھی، مگر دونوں ناپید ہو چکی

ہیں، اس نے ایک بیوگرافیکل ڈکشنری دو جلدوں میں تدوین کی جس میں اندلس کے عالموں کے حالات تہجی وار دئے گئے تھے۔

(۳۸) حافظ ابوالقاسم ابن بشکوال (1182-1101) قرطبہ کا رہنے والا تھا، اس نے پچاس کتابیں لکھیں، جیسے رواء الموطا (موطا امام مالک کے قاری) اور ''کتاب الصیلہ'' جس میں اندلس کے (1541) عالموں، ادیبوں، دانشوروں اور اماموں کا ذکر کیا گیا ہے، کتاب کے تعارف میں اس نے لکھا کہ یہ کتاب اس نے اپنے مداحوں کی فرمائش پر ابن الفرضی کی کتاب کو مکمل کرنے کے طور پر لکھی تھی، اسی لیے اس کتاب کا فارمیٹ (رسم وطریقہ) فرازی کی تاریخ علماء اندلس جیسا ہے، دونوں کتابوں کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا رہا، کئی عالموں نے ''کتاب الصیلۃ'' کے طرز پر کتابیں رقم کیں۔

(۳۹) ابن الآبار (1260-1199) کی پیدائش ویلنسیا کے صوبہ میں ایک چھوٹے گاؤں میں ہوئی، اس نے اپنے وقت کے ممتاز اہل قلم اور علماء سے تعلیم حاصل کی (1238ء) میں وہ ویلنسیا سے ہجرت کر کے تیونس چلا گیا جہاں اسے شاہی دربار میں ملازمت مل گئی، مگر بادشاہ کے سازشیوں کے آگے دم توڑ گیا اور اسے (1260ء) میں راہی ملک بقا کر دیا گیا، تیونس میں اس نے بطور تاریخ داں اور نامور ادیب کے نام پیدا کیا، اس نے ادب، تاریخ اور احادیث نبویؐ پر چالیس کے قریب کتابیں قلم بند کیں، جن میں اکثر مرور زمانہ کے ساتھ ناپید ہو چکی ہیں، فن تاریخ پر اس کی جو کتابیں محفوظ رہی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک ممتاز تاریخ داں تھا، اس سلسلہ میں اس کی کتاب ''تکملہ لکتاب الصیلہ'' Continu CationofAlSila اور معجم'' قابل ذکر ہیں، تکملہ میں اس نے تاریخی واقعات کو جہاں ابن بشکوال چھوڑا تھا وہاں سے لے اپنے زمانہ تک کے واقعات بیان کئے ہیں، تکملہ (1887ء) میں میڈرڈ سے شائع ہوئی تھی، معجم حروف تہجی کے مطابق ترتیب دی گئی تھی، جس میں ہر عالم وفاضل کا پورا نام، جائے پیدائش ورہائش، اس کے اساتذہ، تاریخ وفات اور جس علم یا فن میں اس نے نام پیدا کیا، جیسے کوائف دئے گئے تھے، کتاب میں 315 دانشوروں کا ذکر کیا گیا ہے، اس کی کتاب ''الحلی السیارۃ'' (سنہری دھاگوں والا لباس) میں ایسے شہزادوں کا ذکر کیا گیا ہے، جو شعر وشاعری سے رغبت رکھتے تھے۔

(۴۰) عبدالمالک الانصاری (وفات 1303ء) نے ابن الآبار کی کتاب پر ''الذیل والتکملہ'' دس جلدوں میں لکھی، اس کتاب کی تین جلدیں اسماعیل عباس نے ایڈٹ کر کے بیروت سے (1966) میں شائع کی تھی، ان میں (1705) عالموں کا ذکر کیا گیا ہے، اس نے ابن الفرازی اور ابن بشکوال کی کتابوں کو مکمل کرنے کی کوشش کی۔

(۴۱) اس کے ہم عصر ابن الزبیر (1308ء) کی پیدائش خائن میں ہوئی، مگر عمر کا زیادہ حصہ ''ملاگا'' اور ''غرناطہ'' میں گزارا، وہ کتاب الصیلات الصیلہ (لنک آف لنک) کا مصنف ہے، اس نے بھی ابن بشکوال کی الصیلۃ کو مکمل کرنے کی کامیاب سعی کی، کتاب کے بچے ہوئے حصوں کو LeviProvencal نے ایڈٹ کر کے (1932ء) میں پیرس سے شائع کیا تھا۔

(۴۲) ابو العباس المقری (1632-1591) کی پیدائش نارتھ افریقہ کے شہر Tlemcen میں ہوئی، اندلس سے ہجرت کر کے وہ پہلے فیض گیا، وہاں سے دمشق اور وہاں سے قاہرہ جہاں اس کی وفات ہوئی، آپ دمشق میں صحیح البخاری پر لیکچر دیا کرتے تھے، زندگی میں پانچ بار حج کیا، اس کی دو عالمانہ کتابوں کے نام '' نفح الطب من غسن الاندلس الرتیب '' اور ''ازہار الریاض '' Flowers of Meadows '' ہیں۔ پہلی کتاب میں اس نے اندلس کی تاریخ اور ثقافت پر بیش بہا معلومات دی ہیں، یہ کتاب دمشق کے معتبر اسکالروں کی فرمائش پر لکھی گئی تھی، اگرچہ کتاب لکھنے کی غرض وغایت لسان الدین کی سوانح عمری لکھنا تھا، مگر کتاب کا نصف حصہ تاریخ اندلس پر ہے، ''ازہار الریاض'' بارہویں صدی کے مذہبی عالم اور فقیہ ابن الایاز کی زندگی پر ہے، یہ کتاب مصطفیٰ سقاء نے ایڈٹ کر کے تین جلدوں میں قاہرہ سے (1942ء) میں شائع کی تھی، جب کہ اس کا ترجمہ وتلخیص لندن سے (1843-1840) میں شائع ہوا تھا۔

اس مضمون سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اندلس کی سرزمین نے ایسے زبردست عالم اور تاریخ داں پیدا کئے جو یکتائے روزگار تھے، ان کی کتابوں سے ابھی تک دنیا مستفید ہو رہی ہے اور ہوتی رہے گی۔☆

آئین ہند

دوسری قسط

ہندوستان کا قانون

تلخیص وترتیب: محمد ارشد فیضی

قارئین جانتے ہیں کہ عام لوگوں کی جانکاری کے لیے مئی کے شمارے سے قانون ہند کے اجمالی تعارف کا سلسلہ شروع کیا گیا تھا، چونکہ عام مزاج سے ہٹ کر یہ ایک الگ نوعیت کی چیز تھی، اس لیے اسے نہ صرف کافی پسند کیا گیا؛ بلکہ عوام وخواص نے اس کی اشاعت پر مثبت تبصرے کر کے سلسلہ کو آگے بڑھانے کا مشورہ بھی دیا، لہٰذا قابل قدر حضرات کے مشورے اوران کی رائے کے مطابق اس سلسلے کی دوسری کڑی پیش کی جارہی ہے، زیر نظر تحریر میں ملک کے صدر، ان کی انفرادی حیثیت اوران کی ذمہ داریوں کے علاوہ پارلیمنٹ کا تعارف اس کی مجموعی حیثیت اوراس کے دونوں ایوانوں راجیہ سبھا اورلوک سبھا کے حقوق کے ساتھ دونوں ایوانوں کے اسپیکر کی ذمہ داریوں پر اس طرح اجمالی روشنی ڈالی گئی ہے، جواس سلسلے کی خاصی معلومات فراہم کرتی ہے۔ادارہ

ملک کا صدر:

دستور ہند کی دفعہ ۵۲/ کی رو سے ہر جمہوری ملک میں ایک صدر ہوتا ہے ، جسے اول نمبر کی شہریت کا درجہ حاصل ہوتا ہے، چنانچہ قانونی نقطہ نظر سے ہندوستان کا بھی ایک صدر ہوتا ہے جس کا انتخاب پارلیمنٹ کے ایوانوں کے منتخب ارکان کرتے ہیں ،صدر کے انتخاب میں عملاً مختلف ریاستوں کی نمائندگی کی شرح کے تناسب سے یکسانیت کا ہونا ضروری ہے۔

صدر کی عہدے کے مدت پانچ سال ہوتی ہے،اس پانچ سال کی مدت میں عہدہ صدارت تبدیل ہوجاتا ہے، لیکن اگر دونوں ایوانوں کے منتخب ارکان کسی آدمی کو دوبارہ صدر منتخب کرلیں تو یہ بھی درست ہے،اس طرح سے وہ دوبارہ اگلے پانچ سال کے لیے صدر کے عہدے پر فائز رہے گا۔

صدر کے عہدے کے لیے چند شرائط :

دفعہ ۵۹/ کے مطابق:

۱- ملک کا صدر وہی بن سکتا ہے، جوملک کا شہری ہو۔

۲-صدر کے لیے کم ازکم پینتیس سال کی عمر کا ہونا ضروری ہے۔

۳- وہی شخص صدر بننے کا حق رکھتا ہے جو لوک سبھا کے رکن کی حیثیت سے منتخب ہونے کی اہلیت رکھتا ہو۔

۴-صدر کے عہدے دار کے لیے یہ بھی شرط ہے کہ وہ پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں میں سے کسی کا بھی رکن نہ ہو،اگر کوئی ایسا شخص صدر منتخب کرلیا جائے جو دونوں ایوانوں یا کسی قانون ساز اسمبلی کا رکن ہے تو پھر اسے اپنے عہدے کو سنبھالنے سے پہلے ان اداروں سے اپنی رکنیت ختم کرنی ہوگی۔

۶-صدر منتخب ہونے والے کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ ملک کے سب سے سینئر جج یا سپریم کورٹ کے جج کے سامنے اپنا حلف نامہ داخل کرے، یہ تمام تفصیلات آئین کی دفعہ ۵۹/ کی ذیل میں ملتی ہیں۔

پارلیمنٹ:

دفعہ ۷۹/ کی رو سے پورے ملک کے لیے ایک پارلیمنٹ ہوتی ہے جو صدر اور دو ایوان (راجیہ سبھا اورلوک سبھا) پر مشتمل ہوتی ہے، راجیہ سبھا کے ممبران کی کل تعداد دوسو اڑتالیس ہوتی ہے ، جو ملک کی تمام ریاستوں سے منتخب ہوکر آتے ہیں۔

جب کہ لوک سبھا کے ممبران کی کل تعداد پانچ سو تیس ہوتی ہے، یہ وہ

لوگ ہوتے ہیں جن کو لوک سبھا کے انتخاب میں کامیابی کی بنیاد پر ممبر شپ کا درجہ حاصل ہوتا ہے۔

کچھ ممبران ایسے بھی ہوتے ہیں جن کو خصوصی ممبر پارلیمنٹ کا درجہ حاصل ہوتا ہے، ان کی تعداد بیس ہوتی ہے اوران کا انتخاب پارلیمنٹ کے قانون کے تحت عمل میں آتا ہے۔

تعداد کا تناسب :

دفعہ ۸۱ر کی شق ۲ رمیں ذکر تفصیل کے مطابق، چونکہ لوک سبھا کے ممبران کی مجموعی تعداد ملک کی تمام ریاستوں کے نمائندوں پر مشتمل ہوتی ہے، اس لیے ہر ریاست سے ممبران کی تعداد میں وہاں کی آبادی کے تناسب کا خاص خیال رکھا جاتا ہے (مثال کے طور پر جو ریاست چھوٹی ہے وہاں کے ممبران کی تعداد لوک سبھا میں کم اور جو ریاست بڑی ہے وہاں کے ممبران کی تعداد زیادہ ہوتی ہے)

پارلیمنٹ کی مدت:

قانون کی دفعہ ۸۳ر کے مطابق پارلیمنٹ کی مدت پانچ سال ہوتی ہے، الا یہ کہ کسی وجہ سے لوک سبھا اور راجیہ سبھا کو ان کی مدت سے پہلے ہی توڑ دیا جائے۔

پارلیمنٹ کی رکنیت :

قانونی طور پر پارلیمنٹ کی رکنیت کا حقدار وہی شخص ہوگا جن کے اندر یہ شرائط موجود ہوں:

۱-اول یہ کہ وہ شخص قانونی طور پر ہندوستان کا شہری ہو۔

۲-دوم یہ کہ اس نے ممبر منتخب ہونے کے بعد حلف نامے پر دستخط کیا ہو۔

اگر کوئی شخص راجیہ سبھا کا ممبر بنتا ہے، تو اس کے لیے ضروری ہے کہ اس کی عمر کم از کم تیس سال ہو، جب کہ ممبر لوک سبھا کے لیے کم از کم ۲۵ر سال کی عمر کا ہونا ضروری ہے، بصورت دیگر کسی بھی شخص کو ممبر پارلیمنٹ ہونے کا حق نہیں ہے۔

نیز ایسا شخص بھی پارلیمنٹ کا ممبر بننے کا حقدار نہ ہوگا جس کے اندر اپنی ذمہ داری سنبھالنے کی اہلیت موجود نہ ہو، اس سلسلے کی مکمل وضاحت دستور ہند کی دفعہ ۸۴ر میں موجود ہے۔

پارلیمنٹ کا اجلاس:

ملک کے صدر کے لیے ضروری ہے کہ وہ وقفہ وقفہ سے پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں کا اجلاس قائم کرے، لیکن اس کے ساتھ اس بات کا بھی خیال رکھا جائے کہ ایک اجلاس سے دوسرے اجلاس کی مدت چھ ماہ سے زائد نہ ہو۔

صدر کو اپنے اختیار کے بل بوتے پر کسی مصلحت کے تحت دونوں ایوانوں یا ان میں سے کسی ایک کو برخواست کردینے کا بھی حق حاصل ہوتا ہے۔

صدر کا پیغام ایوانوں کے نام :

دستور کی دفعہ ۸۶ر کے مطابق صدر جب بھی چاہے قانونی طور پر اسے یہ حق حاصل ہوتا ہے کہ وہ دونوں ایوانوں کے مشترکہ اجلاس سے خطاب کرکے ارکان کو حاضر رہنے کا حکم دے سکے، نیز اسے پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں کے نام کسی بھی طرح کا پیغام بھیجنے کا بھی حق ہوتا ہے اور ایسی صورت میں دونوں ایوانوں کی ذمہ داری یہ ہوتی ہے کہ وہ ان کے پیغام پر فوری غور کرے۔

صدر کا خاص خطاب:

دستور کی دفعہ ۸۷ر کے رو سے صدر کی ذمہ داری یہ بھی ہے کہ وہ ہر لوک سبھا کے انتخاب اور ہر سال کے مشترکہ اجلاس میں پارلیمنٹ میں خطاب کرکے ممبران کو ان کی ذمہ داریاں یاد دلائیں اور ان کو صاف دلی سے اپنے فرائض کی ادائیگی پر ابھاریں۔

پارلیمنٹ کے عهده دار:

راجیہ سبھا کا میر نائب صدر جمہوریہ ہوتا ہے اور راجیہ سبھا کا نائب میر وہ شخص ہوتا ہے جس کا انتخاب راجیہ سبھا کے تمام ارکان مل کر کرتے ہیں، یہ وضاحت دفعہ ۸۹ر کی شق نمبر ۱ر اور شق نمبر ۲ر میں موجود ہے۔

اب اگر کسی وجہ سے نائب میر مجلس کا عہدہ خالی ہوجائے تو کسی اور

شخص کا اتفاق رائے سے اس عہدے کے لیے انتخاب کرلیا جاتا ہے۔

نائب میر مجلس کو اپنے اس عہدے پر فائز رہنے کا حق اسی وقت تک حاصل ہوتا ہے جب تک وہ راجیہ سبھا کا رکن ہو، اگر کسی وجہ سے اس کی راجیہ سبھا کی رکنیت ختم ہوجائے، یا وہ اپنی تحریر کے ساتھ اپنے عہدسے سے استعفی دے دے، یا پھر کسی وجہ سے اسے اس عہدے سے برخواست کردیا جائے، تو پھر ایسی تمام صورتوں میں اس خالی جگہ کو دوسرے ایسے شخص کے انتخاب سے پر کی جائے گی، جس کا فیصلہ راجیہ سبھا کے مجموعی ارکان کریں گے۔

اگر کسی وجہ سے میر مجلس کا عہدہ خالی ہوجائے تو نائب میر مجلس اس ذمہ داری کو نبھاتا ہے اور اگر کسی سبب نائب میر مجلس کا عہدہ بھی خالی ہوجائے تو پھر اس عہدے کی ذمہ داری اس شخص کے اوپر ہوتی ہے جس کا انتخاب راجیہ سبھا کے جملہ ممبران میں سے کسی ایک کا صدر کرے گا۔

اگر راجیہ سبھا کے میر مجلس یا نائب میر مجلس کو ان کے عہدے سے کسی وجہ سے برخواست کیے جانے کی بات چل رہی ہوتو اس دوران ان دونوں میں سے کسی کو بھی اپنے عہدے کی حیثیت سے کوئی کام کاج کرنے کا حق نہ ہوگا۔

اسپیکر:

دفعہ ۹۳ر میں درج تفصیل کے مطابق حکومت سازی کے بعد قانونی طور پر لوک سبھا کی ذمہ داری یہ ہوتی ہے کہ جتنا جلد ہوسکے ایوان کے دو ارکان کو بالترتیب اسپیکر اور نائب اسپیکر کے عہدے کے لیے چن لے اور اس سلسلے میں خصوصی طور پر یہ خیال رکھا جائے کہ یہ دونوں عہدے کسی وقت بھی خالی نہ ہوں۔

اسپیکر سے متعلق باتیں:

قانونی طور پر اسپیکر اسی وقت تک اپنے عہدے پر رہنے کا حق رکھتا ہے جب تک وہ لوک سبھا کا رکن رہے، بصورت دیگر اسے اپنی سیٹ چھوڑ دینی پڑتی ہے، اگر اسپیکر یا نائب اسپیکر اپنے عہدے سے استعفی دینا چاہے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ دونوں میں سے ہر ایک ایک دوسرے کو اپنے دستخط کے ساتھ اپنا استعفی سونپ دے، یعنی اگر اسپیکر استعفی دینا چاہتا ہے، تو وہ نائب اسپیکر کو اور اگر نائب اسپیکر استعفی دینے کا خواہشمند ہے تو وہ اسپیکر کو اپنا استعفی سپرد کرے۔

اسپیکر یا نائب اسپیکر کو اپنا عہدہ اس وقت بھی خالی کرنا پڑسکتا ہے جب لوک سبھا کے جملہ ارکان ایک ساتھ اسے اس عہدے سے ہٹانا چاہیں، یہ تفصیل دفعہ ۹۴ر کے ذیل میں آئی ہے۔

نائب اسپیکر کی ذمہ داری:

دفعہ ۹۵ر کے مطابق اگر اسپیکر کا عہدہ خالی ہوجائے تو اس عہدے کے فرائض نائب اسپیکر انجام دیں گے اور اگر اسپیکر اور نائب اسپیکر دونوں کی جگہ کسی وجہ سے خالی ہوتو یہ فرض ممبر لوک سبھا کا ایسا شخص انجام دے گا، جس کا انتخاب صدر کریں گے۔

اسپیکر اور نائب اسپیکر کی غیر حاضری کی صورت میں ایوان کا ایسا رکن اس ذمہ داری کو نبھائے گا جس کا انتخاب ایوان کے کارکنان قانونی طور پر کریں گے۔

اگر اسپیکر یا نائب اسپیکر کو ان کے عہدے سے علاحدہ کئے جانے کی کوئی قرارداد زیر غور ہوتو ایسی صورت میں اجلاس کی کسی بھی نشست کی صدارت کرنے کا ان کو حق نہ ہوگا۔

تاہم اسے یہ حق ضرور حاصل ہوتا ہے کہ وہ ایوان میں کسی بھی موضوع پر تقریر کرسکے۔

کام کا طریقہ:

دفعہ ۹۹ر کے نقطۂ نظر سے پارلیمنٹ کے ہر دو ایوان کے ممبران کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے عہدے کو سنبھالنے سے پہلے صدر کے سامنے اپنا حلف نامہ داخل کرے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

تذکیر

یادرکھئے! آپ خیر امت ہیں

مولانا محمد نسیم اختر شاہ قیصر دارالعلوم دیوبند

چند روز گذرے اخبارات میں یہ خبر آئی کہ امریکہ نے عراق پر جنگ مسلط کرنے اور قبضہ کر لینے سے پیشتر جس مہم کا آغاز کیا وہ اسلام اور دہشت گردی کی مہم تھی اس کے لیے میڈیا کو استعمال کیا گیا اور ڈھائی کروڑ ڈالر مختلف نیوز ایجنسیوں اور نیوز چینلوں کو دئے گئے، گویا کہ میڈیا کو خریدا گیا یہ خبر اپنے ظاہر اور باطن کے اعتبار سے کھل کر ایک چیز کی نشاندہی کرتی ہے، وہ یہ کہ اسلام دنیا کے نشانے پر ہے۔

اسلام کے خلاف سازشیں، اس کو رسوا اور بدنام کرنے کی مہم اور اس کے خلاف پروپیگنڈہ کوئی نئی چیز نہیں ہے، مگر موجودہ دور میں جس سفاک اور قاتلانہ انداز میں اسلام کی شہ رگ کاٹنے کی کوشش کی جارہی ہے، اس کی مثال کسی دوسری صدی میں نہیں ملتی، پورا عالم غضب ناک نگاہوں سے اسے دیکھ رہا ہے، اور دنیا کی تمام طاقتیں اس کو نگل لینے کے درپے ہیں، ہر سمت سے یورش، ہر جانب سے یلغار، ہر ہاتھ اسلام کی جڑوں پر قاتلانہ وار کرنے کے لیے اٹھتا ہے، آج دنیا کے امن کو اگر کسی سے خطرہ ہے تو وہ صرف اسلام ہے وہ اپنے حقوق طلب کریں تو اسلامی دہشت گردی، وہ جان ومال اور عزت وآبرو کی حفاظت کے لیے آگے آئیں تو مذہبی کٹر پن، اپنے مفادات کے تحفظ کے لیے قدم بڑھائیں تو مذہبی شدت اور جنون، ہر طرف یہی گونج، ہر جانب یہی غوغا، اسلام پسندوں کا ہر کام انسانیت کے لیے تباہ کن، اسلامی ممالک دنیا کے لیے ایک عظیم خطرہ، اسلامی تنظیمیں اور ادارے شدت پسندوں کے سرپرست اور پناہ گاہ ہیں "الکفر ملة واحدة" کی صحیح تشریح موجودہ عالمی تناظر میں بخوبی دیکھی جاسکتی ہے۔

باطل طاقتیں ایک جگہ جمع ہیں فرعونوں کا اجتماع ہے اور فرعونیت نے اپنے پنجے گاڑ رکھے ہیں پورا نظام عالم وہ اپنی مٹھی میں لے لینے کے لیے بے چین اور بے قرار، کوئی طاقت نہیں جو ان سے لوہا لے سکے، کوئی انسانیت حق اور سچائی کا ساتھی بننے کے لیے تیار نہیں، ایک مسلمان ہے اور اس کے ہزار ہا دشمن، ہر رنگ کے، ہر نسل کے، ہر مذہب اور ہر عقیدے کے اب ان فرعونی طاقتوں کی پسپائی اور ہزیمت کا سامان کہاں سے فراہم ہو۔

صرف ایک ہی راستہ جو ہمیشہ سے بنا ہوا ہے اور ہمیشہ بنا رہے گا وہ معبود برحق سے رجوع، خدائے وحدہ لاشریک کی جناب میں حاضری، اسی قادر مطلق کی بارگاہ عالی میں سجدۂ عبودیت، مسلمان بننے اور ہونے کا ثبوت دیجئے، کوہ صفا پر جب رسول خدا نے اعلان حق کیا تو ان کے قریب اور دور کوئی بھی حق کی بات سننے کے لیے آمادہ نہ تھا، مگر خاتم الانبیاء نے یہ عمل دہرایا اور مسلسل دہرایا، اپنے کردار سے بھی، اپنے اخلاق سے بھی، اپنے رحم وکرم، تحمل وحلم اور بے مثال استقامت کے ذریعہ سے بھی خدا کی وحدانیت کا اعلان کرتے رہے، اپنے مسائل، اپنی ضروریات اور دشواریاں ان کے لیے سد راہ نہیں بنیں اور نہ یہ ہوا کہ عبادت وریاضت، ذکر وتسبیح، شب بیداری اور دن بھر یاد الٰہی میں استغراق ہی ان کی زندگی بن گیا ہو، بلکہ عمل کے میدان میں بھی وہ نکلے اور دنیاوی تمام تقاضوں کی تکمیل بھی انہوں نے فرمائی، راتیں تو ان کی یاد الٰہی میں گذرتی ہی تھیں، محویت اور استغراق کا عالم تو ہمہ وقت تھا، خدائے واحد کی عظمت اور جلال ان کے دل، ان کے ذہن اور انکی روح میں بسا ہوا تھا، وہاں سے بے توجہی کا کسی بھی لمحہ تصور ایک گناہ عظیم تھا۔ ﴿بقیہ صفحہ ۳۱ پر﴾

مکتوبات اکابر

مکتوبات حضرت جی مولانا انعام الحسن کاندھلویؒ ایک نیاز مند کے نام

محمد مسعود عزیزی ندوی رئیس مرکز احیاء الفکر الاسلامی

حضرت مولانا انعام الحسن صاحب کاندھلوی رئیس التبلیغ مرکز نظام الدین دہلی کی زیارت-سن اور تاریخ تو یاد نہیں-پہلی مرتبہ جامنو والا ضلع یمنا نگر ہریانہ کے تبلیغی اجتماع کے موقعہ پر ہوئی، حضرت مولانا کے سرخ ہونٹ اور پروقار چہرہ اوران کی زبان سے نکلی ہوئی تقریر کے الفاظ اور وعظ کا تسلسل ابھی تک ذہن میں ہے، پہلی مزرعہ جامعہ بیت العلوم کے زمانہ طالب علمی میں وہاں سے اجتماع میں شرکت کے لیے جانے والے طلبہ کے ساتھ راقم سطور بھی تھا، حضرت جی کی زیارت اس وقت پہلی مرتبہ ہوئی، اس کے بعد کوئی ملاقات وزیارت یاد نہیں، البتہ مدرسہ فیض ہدایت رحیمی رائے پور کے زمانہ طالب علمی میں جب بزرگوں سے خط وکتابت کا سلسلہ شروع کیا، تو حضرت جی کے نام بھی اس نامہ سیاہ نے کئی جوابی خطوط تحریر کئے، جن کے جوابات حضرت جی کی طرف سے آئے، یہاں حضرت کے وہ مکتوبات نقل کئے جاتے ہیں، جو حضرت کی طرف سے راقم کے خطوط کے جواب میں آئے ہیں۔

پہلی مرتبہ جو خط حضرت کو لکھا اس میں اپنا تعارف اور مدرسہ فیض ہدایت رحیمی رائے پور میں تعلیم حاصل کرنے کے سلسلے میں تحریر کیا، اوراس راستہ کی مشقتوں کا تذکرہ بھی کیا، اس کے بعد حضرت سے دعاؤں کی درخواست کی، جس کا مندرجہ ذیل جواب آیا:

از بنگلہ والی مسجد بستی حضرت نظام الدین اولیاءؒ

۲۴؍ربیع الاول ۱۴۱۳ھ مطابق ۲۳؍ستمبر ۱۹۹۲ء

باسمہٖ تعالیٰ

مکرمی......وفقنا اللہ وایاکم لما یحب ویرضیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا خط ملا، اللہ تعالیٰ آپ کو تعلیم میں اچھی سے اچھی کامیابی عطا فرمائے اور علم وعمل کی دولت سے مالا مال فرمائے، کسی لائن کے نفع کو حاصل کرنے کے لیے اس کی مشقتوں سے گزرنا پڑتا ہے، تعلیم کے زمانے میں ہمت سے کام لینا ہے اوراس راستے کی ناگواریوں اور مشقتوں کو بشاشت قلبی کے ساتھ برداشت کرنا ہے۔فقط والسلام

من جانب حضرت جی دامت برکاتہم

بقلم اقبال نیر

اس کے بعد حضرت مولانا کو ایک خط لکھا، جس میں اپنی تعلیم سے متعلق تحریر کیا، نیز دینی، دعوتی کام کرنے اوراپنی اصلاح کے جو جذبات دل میں تھے، وہ بھی تحریر کئے، جو کچھ ارادے تھے، وہ بھی لکھے اس کے بعد استقامت، اللہ کی رضا کے حصول کے لیے دعاء کی درخواست کی، جس پر حضرت جی کا یہ محبت نامہ موصول ہوا۔

۲-بنگلہ والی مسجد ۹؍دسمبر ۱۹۹۲ء

باسمہ سبحانہ وتعالی

مکرم بندہ محمد مسعود صاحب مظفری

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا جوابی پوسٹ کارڈ موصول ہوا، آپ کے دینی جذبات اور طلب مبارک ہے، اللہ تعالیٰ آپ کے ارادوں کو قبول فرمائے، اور علم نافع عطا فرمائے اوراس پر عمل کی بھرپور توفیق نصیب فرمائے، علم کا حاصل کرنا بھی عمل ہی کی نیت سے ہو اور محض اللہ کی رضا کے لیے، جبھی وہ نفع بخش

ہوگا اور اس کا اصل نفع آخرت میں ظاہر ہوگا، اللہ پاک عالم بھی بنائے اور علم کو لے کر دعوت کی لائن سے جماعتوں کے ساتھ سارے عالم میں پھرنیوالا بھی بنائے، بندہ دعا کرتا ہے اور امید ہیکہ آپ اپنے تعلیمی دور میں نیتوں کے ساتھ دعوت کے معمولات بھی پورے کرتے ہوں گے، اللہ تعالی قبول فرمائے، استقامت نصیب فرمائے۔ فقط والسلام

من جانب حضرت جی دامت برکاتہم

بقلم محمد تحسین

اس جواب کے بعد حضرت سے انسیت ہوگئی اور پھر خط لکھنے کا جذبہ پیدا ہوا، چنانچہ حضرت کی خدمت میں پھر ایک جوابی خط لکھدیا جس میں اپنے حالات لکھے اور علم کی ترقی کے لیے دعا کی درخواست کی، جس پر حضرت کی جانب سے یہ شفقت نامہ شرف صدور ہوا۔

۳- باسمہ تعالی

بنگلہ والی مسجد حضرت نظام الدین نئی دہلی

۶ ربیع الاول ۱۴۱۴ھ ۲۵ راگست ۱۹۹۳ء

مکرم بندہ محمد مسعود...... وفقنا اللہ وایاکم لما یحب و یرضیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا خط مل گیا ہے، حالات کا علم ہوا، بندہ دعا کرتا ہے کہ اللہ جل شانہ آپ کو نیک مقاصد میں کامیاب فرماویں، دین کی فکر ومحنت مبارک ہے، اللہ جل شانہ اسے قبول فرماویں، بارآور فرماویں، جس طرح علم کو حاصل کرنے کے لیے محنت کررہے ہیں، اسی طرح اس کو اپنی زندگی میں اور امت تک پہچانے کی بھی محنت کرنا چاہئے اور پھر اپنے لیے اور ساری امت کے لیے دعا کرنا چاہئے۔ والسلام

از حضرت جی مدظلہ

بقلم عبدالرقیب

اس کے بعد حضرت کو ایک خط لکھا، جس میں اپنے احوال سے مطلع کیا اور دعوت وتبلیغ کی فکر لکھی، نیز اپنی ہمشیرہ مفیدہ خاتون جن کی طبیعت ناساز تھی ان کے لیے دعا کی درخواست کی اور والدین کی صحت وتندرستی اور ان کے سایہ عاطفت دیر تک رہنے کی دعا کی درخواست کی، حضرت نے مندرجہ ذیل والا نامہ ارسال فرمایا۔

۴- از بنگلہ والی مسجد بستی نظام الدینؒ نئی دہلی

۲۳ ربیع الثانی ۱۴۱۴ھ ۱۱ اکتوبر ۱۹۹۳ء

باسمہ تعالی

مکرم ومحترم...... السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

وفقنا اللہ وایاکم لما یحب و یرضیٰ

آپ کا خط موصول ہوکر کاشف احوال ہوا، اس وقت آپ یکسو ہوکر اپنی تعلیم مکمل کرنے کی فکر فرمائیں، ہاں اپنی مسجد کی جماعت کے ساتھ جڑ کر مقامی اعمال میں شرکت فرماتے رہیں، اللہ تعالی آپ کو عالم باعمل داعی بنائے، والدین اور بہن کو تندرستی عطا فرمائے اور اپنی رضا والے اعمال میں لگنے کی توفیق عطا فرمائے، تعلیم میں استاذ سے زیادہ طالب علم کے شوق اور محنت کو دخل ہوتا ہے، پڑھنے والے میں شوق اور لگن ہو اور محنت کرے تو پھر اللہ تعالی ذہن کو بھی کھولدیتے ہیں، اللہ تعالی آسان فرمائے۔ فقط والسلام

بندہ محمد انعام الحسن غفرلہ

بقلم سعید احمد

پھر حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں ایک عریضہ تحریر کیا، اس میں خاص طور سے اپنے لیے دعا کی درخواست کی، مگر یہ خط اس وقت مرکز پہنچا جب حضرت جی رائیونڈ کے اجتماع میں شرکت کے لیے پاکستان گئے ہوئے تھے، چنانچہ مرکز کی جماعت شوری کی طرف سے اس کا مندرجہ ذیل جواب آیا۔

۵- از بنگلہ والی مسجد بستی نظام الدینؒ نئی دہلی ۱۳

۵ جمادی الثانی ۱۴۱۴ھ ۲۰ نومبر ۱۹۹۳ء

مکرم ومحترم...... السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

وفقنا اللہ وایاکم لما یحب و یرضیٰ

آپ کا خط ملا، حضرت جی دامت برکاتہم الحمدللہ بخیریت ہیں اور

اس وقت رائیونڈ تشریف لے گئے ہیں، کل ان شاءاللہ واپسی ہوگی، اللہ تعالی آپ کو عالم باعمل وداعی بنائے اور آپ سے دین کا کام لے اخلاص واستقامت کی دولت سے نوازے، امید ہے کہ تعلیم کے ساتھ دعوت کے عمل میں بھی شرکت ہورہی ہوگی، علم پر عمل ذہن کی تقویت کا سبب ہوتا ہے، اللہ تعالی آخری سانس تک اپنی رضا والے اعمال میں لگنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔فقط والسلام

از جماعت شوری

بقلم سعید احمد

اس کے بعد پھر حضرت جی کی خدمت میں ایک خط تحریر کیا، جس میں اپنے دینی جذبات تحریر کئے اور دعاؤں کی درخواست کی، جس پر حضرت کے نائبین جماعت شوری کی طرف سے یہ جواب آیا۔

باسمہ

۶- بنگلہ والی مسجد ۲۰ر محرم الحرام ۱۴۱۵ھ

مکرم محمد مسعود صاحب......وفقنا اللہ وایاکم لما یحب ویرضیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کے خط سے احوال معلوم ہوئے، تمہاری دینی فکر وطلب کا جذبہ بہت مبارک ہے، اللہ جل شانہ ترقیات سے نوازے، علم وعمل اور صفات دعوت کی دولتوں سے مالا مال فرماکر تم سے دین کا خوب خوب کام لے لے، اپنی پڑھائی اور تعلیم میں اہتمام سے لگے رہیں، فارغ اوقات میں اپنے معمولات کی پابندی اور تعلیم کے علاوہ وقتوں میں دعوت کے اعمال تعلیم وگشت اور چھٹیوں کے اندر جماعتوں میں وقت لگانے کا اہتمام کرتے رہیں، اللہ جل شانہ ہر شر ومکروہ سے اور وقت کے ضائع کرنے سے آپ کی حفاظت فرمائے اور اپنی مرضیات پر قائم رکھے۔

والسلام

جماعت شوریٰ

بقلم محمد غزالی

پھر ایک عریضہ خدمت اقدس میں تحریر کیا، اپنے تعلیمی حالات لکھے یہ خط مدرسہ ضیاء العلوم میدان پور رائے بریلی سے لکھا، حضرت جی کا مندرجہ ذیل جواب آیا۔

باسمہ تعالی

۷- از بنگلہ والی مسجد نظام الدینؒ نئی دہلی ۱۳

۲۷ر جمادی الاول ۱۴۱۵ھ مطابق ۲ر نومبر ۱۹۹۴ء

مکرم بندہ محمد مسعود صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

وفقنا اللہ وایاکم لما یحب ویرضیٰ

آپ کا خط موصول ہوکر کاشف احوال ہوا، اللہ رب العزت آپ کی مساعی جمیلہ کو قبول فرمائے، مقاصد خیر میں کامیابی عطا فرمائے، نفس وشیاطین کے شرور سے حفاظت فرمائے، دین کے احیاء وبقا کے لیے آپ کی محنتوں اور کوششوں کو قبول فرمائے۔آمین، فقط والسلام

بندہ محمد انعام الحسن غفرلہ

بقلم سعید احمد

اس کے بعد ندوۃ العلماء لکھنؤ میں تعلیم حاصل کرنے کے لیے چلا گیا، پھر یاد نہیں کی حضرت جی کی خدمت میں کوئی خط لکھا ہو اور نہ ہی زیارت مقدر ہوسکی، البتہ ان کی عظمت ووقعت وبزرگی ہمیشہ دل میں رہی، یہاں تک کہ ۱۰ر محرم الحرام ۱۴۱۶ھ مطابق ۹ر جون ۱۹۹۵ء جمعہ کو حضرت کا انتقال ہوگیا اور وہ اللہ کی رحمت میں چلے گئے، حضرت جی کے انتقال کے بعد جماعت شوری اور مولانا زبیر احمد صاحب کو ایک تعزیتی خط تحریر کیا، جس میں حضرت کے رفع درجات کے لیے لکھا، اور حضرت جی کے وصال سے جو خلا ہوگیا تھا، اس پر افسوس کا اظہار کیا اور دعوت کے کام کی فکر کو لکھا، جس پر مولانا سعید احمد خاں صاحب کا یہ جواب آیا:

باسمہ تعالی

۸- از بنگلہ والی مسجد نظام الدینؒ نئی دہلی ۱۷ر جون ۱۹۹۵ء

محترم مکرم مسعود صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا گرامی نامہ موصول ہوا، سب حضرات ایصال ثواب،

دعائے مغفرت کرتے رہیں اور دعوت والے عمل میں زیادہ سے زیادہ محنت کرتے ہوئے پوری دنیا میں پھرنے کی نیت کریں اور اسباب اللہ تعالی سے دعاؤں کے ذریعہ طلب کریں، جیسے تاجر تجارت کی نیت کرکے عمل شروع کرتا ہے اور اللہ تعالی اس کے اسباب بناتے چلے جاتے ہیں، اگر اس کے عزائم زیادہ سے زیادہ اونچے ہوتے ہیں تو پوری دنیا کے دور دراز ملکوں سے اپنی تجارت کا نظام قائم کرلیتا ہے، جاپان، امریکہ، انگلینڈ سے کرلیتا ہے اور جو کم ہمت ہوتے ہیں اور عقل کم ہوتی ہے، اپنی چھوٹی سی دوکان پر زندگی گزار دیتے ہیں، لہٰذا آپ اونچے سے اونچے عزائم رکھیں۔ فقط والسلام

(مولانا) سعید احمد خاں

بقلم فرقان

اس کے بعد ندوۃ العلماء لکھنؤ سے مولانا زبیر الحسن صاحب خلف الرشید حضرت جی کو دعاء کے لیے خط تحریر کیا، جس کا جواب مندرجہ ذیل آیا، یہ خط حضرت جی ہی کا خط سمجھ کر نقل کیا جارہا ہے، کیونکہ اس میں وہی فکر موجود ہے، جو حضرت جی کی فکر اور تڑپ تھی، اللہ تعالی اپنے پاک لوگوں کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطاء فرمائے۔

باسمہٖ تعالی

۹-از بنگلہ والی مسجد نظام الدین نئی دہلی

۱۶/رمضان المبارک ۱۴۱۷ھ مطابق ۲۶/جنوری ۱۹۹۷ء

مکرم بندہ محمد مسعود صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا خط موصول ہوکر کاشف احوال ہوا، اللہ تعالی آپ کو دارین کی ترقیات سے نوازے اور مقاصد خیر میں کامیابی عطاء فرمائے۔ آمین امید ہے کہ اپنی تعلیمی مصروفیت کے ساتھ آپ کی دعوت کے کام میں اہتمام سے شرکت ہورہی ہوگی، اللہ تعالی آپ کو عامل قرآن، سنت کا علمبردار اور دین کا داعی بنائے۔ آمین فقط والسلام

بندہ محمد زبیر الحسن غفرلہ

﴿بقیہ صفحہ ۲۷/کا.................﴾

جس کا کبھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے صدور نہیں ہوا، مگر ان سب کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت مسلمہ کے لیے دنیا میں ترقی کا سامان اور سرخ روئی کی راہیں سونی نہیں چھوڑیں اور نہ ان راستوں سے بچ کر نکلے جو دنیا میں عزت ووقار اور مرتبہ کے حصول کے لیے بنائے گئے ہیں، آپ کی تدبیریں دوراندیشی معاملہ فہمی دنیا پر ظاہر ہے، آپ رسول خدا ہونے کے ساتھ ساتھ معلم اخلاق بھی تھے، عادل شخصیت کے بھی مالک تھے، تجربہ کار سپہ سالار بھی تھے، انتہائی حساس اور دردمند دل رکھنے والے بھی، انسانی اور انسانیت کی فلاح کی تڑپ اور بے چینی بھی آپ میں موجود تھی، تجارت کاروبار، میدان جنگ، معاشیات، اقتصادیات سب میدان آپ کے قدموں سے روشن تھے، کسی بھی محاذ پر، کسی بھی بشری کمزوری کا تصور کرنا بھی اپنے ایمان سے ہاتھ دھو لینے کے برابر ہے۔

مسلمان نئے دور کے تقاضوں کو سمجھیں، عالمی منڈی میں اپنے وجود کو تسلیم کرانے اور اپنی اہمیت کو اجاگر کرنے کے لیے سائنس اور ٹیکنالوجی کے میدان میں اپنی صلاحیتوں کے چراغ روشن کرنے اور اپنے فکر وتدبر کی نئی دنیا بسانے کے لیے اگر مستعد ہوں تو نہ کوئی سازش ان کی حیثیت کو مجروح کرسکتی ہے اور نہ کوئی طوفان ان کے قدم کو دوسری جانب اٹھنے پر مجبور کرسکتا ہے، اسلام پسند نہ گھبرائیں، نہ ہراساں ہوں، یہ امتحان اور آزمائش کا وقت ہے اور اہل ایمان زندگی کی تپتی اور جھلستی دھوپ میں آزمائے جاتے رہے ہیں اور ہمیشہ ہر امتحان میں ان کی نیا پار لگی ہے، آج کے سخت حالات میں بھی ہمارے لیے وہ ہی راستہ ہے جو ہمیشہ سے تھا اور ہمیشہ رہے گا، بس چند قدم چل کر تو دیکھئے ہنستی، مسکراتی اور گنگناتی زندگی آپ کے لیے اپنی آغوش وا کئے ہوئے ہے، آپ امت خیر بنا کر بھیجے گئے ہیں، خیر کی توقع آپ ہی سے کی جاسکتی ہے اور خیر کی دعوت آپ ہی دے سکتے ہیں۔

☆☆☆☆☆☆

احسان قرآن

عربی ادب پر قرآن واسلام کا اثر

مولانا مفتی کفیل الرحمٰن نشاط دارالعلوم دیوبند

اسلام کے آغاز سے ہی عربی سماج وتمدن ، سیاست اورطرز معاشرت میں غیر معمولی تغیر ہوا ، عرب جو ابھی تک باہمی عصبیت ، جنگ وجدال اور تنگ ذہنی کا شکار تھے ، اسلام کی برکت سے انہیں ذہنی بیداری کی دولت نصیب ہوئی۔

قرآن کریم نازل ہوا تو عرب کے علم وادب کا ڈھانچہ ہی بدل گیا ، دور جاہلیت میں عرب قوم کے ترجمانِ حیات محض اشعار ہوتے تھے اور اس وقت کے شاعر حیات کے مختلف گوشوں اور جذبات کو اشعار میں سمونے کی خاطر ایڑی چوٹی کا زور لگادیتے تھے ، روایت اشعار کا رواج عام تھا ، اشعار کے ذریعہ فصاحت وبلاغت کے دریا بہانے کی سعی کی جاتی ، مگر قرآن کریم نازل ہوا تو اس کی فصاحت وبلاغت کے سامنے وہ ماہرین زبان جنھیں اپنی زبان دانی پر ناز تھا انگشت بدنداں رہ گئے اور انہیں قرآن کریم کی فصاحت وبلاغت کے سامنے اپنی کمتری کا اعتراف کرنا پڑا۔ ''تاریخ الادب العربی'' کے مصنف ''ڈاکٹر شوقی ضیف'' نے اس موضوع پر بڑا اچھا کلام کیا ہے ، انہوں نے ''اثر القرآن فی اللغة العربیہ'' کا عنوان قائم کرتے ہوئے اس کے ذیل میں لکھا ہے کہ ''قرآن کریم لغت اہل عرب کے لیے باعث فخر ہے ، کیونکہ امتوں میں سے کسی امت پر کوئی دینی ودنیوی کتاب بلاغت اور نفوس وقلوب کو متأثر کرنے والی اس جیسی نازل نہیں ہوئی ، خواہ اللہ واحد وعظیم اور بزرگ وبرتر کے اعتبار سے یا تخلیق ارض وسماوات یا قیامت کے ذکر کے لحاظ سے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کریم کی تلاوت فرماتے تو بلا امتیاز دوست ودشمن سننے والوں کے دل متوجہ ہوجاتے ، راویوں نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سخت دشمن ولید ابن مغیرہ نے آپ کو قرآن حکیم کی آیات تلاوت کرتے سنا تو قریش کے لوگوں کی طرف متوجہ ہوکر اس نے ان سے کہا ، واللہ میں نے محمدؐ سے ایسا کلام سنا جو شیریں تھا اور کسی انسان یا جن کا کلام نہیں تھا ، اس سے یہ بات بخوبی واضح ہوگئی کہ قرآن کی آیات فصیح لوگوں کے کلام سے الگ ہیں ، جیسے یہ جن کے کلام سے جسے کاہن بولتے ہیں الگ ہے ، آیات قرآنی نہ موزوں اشعار ہیں جو شعراء کے ورد زبان رہتے ہیں اور نہ مقفّٰی عبارتیں ہیں جو کاہنوں اور خطیبوں کی زبانوں پر چڑھی رہتی ہیں ، قرآن کریم کے نزول نے عربی لغت وادب کی تاریخ میں عظیم انقلاب برپا کردیا ، مثلاً اہل عرب جن کی لغات اور لہجے ایک دوسرے سے کم وبیش مختلف تھے ، قریش کے لہجہ پر سب کو جمع ومتفق کردیا۔

پھر جب فتوحات کا دائرہ وسیع ہوا اور مختلف ممالک اور مختلف شہر فتح کئے گئے تو عالم اسلام میں مشرق سے مغرب تک یہی قرشی لہجہ رائج ہوگیا ، کیونکہ قرآن کریم کی تلاوت ہر مسلمان پر فرض کی گئی ، اس کی حفاظت اور اس کی تلاوت وترتیل کی اسلام نے ترغیب دی ، ارشاد ربانی ہے ''ورتل القرآن ترتیلاً ''۔

یہ قرآن کریم کی فضیلت وخصوصیت ہے کہ اس نے زبان عرب کو تلف ہونے سے بچالیا اور پوری دنیا میں اس کی اشاعت کا سبب بن گیا اور اس کی برکت سے زبان عربی کو حیات دائمی نصیب ہوگئی ، قرآن کریم کا عربی لغت وادب پر یہ اثر پڑا کہ عربی زبان میں دینی اور سماوی لغات کا اضافہ ہوگیا ''تاریخ الادب العربی'' میں ہے کہ قرآن کریم میں بہت سے ایسے الفاظ ومعانی بیان کئے گئے ہیں جن کو اس سے پہلے عرب پہچانتے نہیں تھے ، مؤرخین ادب نے ان الفاظ کے استعمال کا آغاز کیا مثلاً ''الفرقان ، الکفر ، الایمان ، الاشراک ، الاسلام ،

النفاق، الصوم، الصلوۃ، الزکوۃ، التیمم، الرکوع، السجو د' اور ان کے علاوہ بہت سے کلمات جنھیں عرب پہنچانتے نہیں تھے کہ ان کے ذریعہ اللہ کے بندوں کو پکاریں اور خالق ارض وسماوات کی وحدانیت کے لیے استعمال کریں، قرآن کے ذریعہ امتوں کی تاریخ، قیامت کے قیام اور عبرت کے لائق واقعات کا علم ہوا، نیز قرآن کریم نے عربی زبان وادب کو صاف ستھرا بنایا، اجنبی ونامو س الفاظ جو دورجاہلیت کے ادب کا خاصہ تھے، ان سے اجتناب کر کے ایک عام فہم لہجہ اور فصاحت وبلاغت کا کمال عطا کیا، دلوں کو چھونے والا لہجہ قرآن کریم کی خصوصیت ہے۔

صاحب تاریخ الادب العربی فرماتے ہیں:

''قرآن کریم کا اسلوب کانوں کولذت وسرور عطا کرتا ہے، جب کہ اسے سنا جائے اور منہ اس کی تلاوت سے لذت حاصل کرتے ہیں، اس کے اسلوب بیان نے ہماری عربی زبان کو امتیاز بخشا، وہ قرآن کریم کہ شہروں کی فتح کے ساتھ جس نے لوگوں کے دل فتح کر لیے اور اچانک انہوں نے مختلف لغات ترک کر کے صاف شفاف وستھری لغت اپنالی''۔

قرآن کریم کے نزول نے ادب عربی کو ایک نیا اسلوب بیان عطا کیا، اس سے قبل اس طرز بیان کا وجود نہیں، ادب عربی کے ستون اسی کے لہجہ واسلوب پر قائم کئے گئے، خطباء، شعراء، مصنفین نے اپنے کلام میں اثر پیدا کرنے کی خاطر اسی کے اسلوب کو اپنایا، لوگ اسی انداز سے لوگوں کے کلام کو پرکھنے لگے اور قرآن کریم کا اسلوب حسن وقبح پرکھنے کی کسوٹی بن گیا۔

چنانچہ ہشیم بن عدی سے روایت ہے کہ عمران ابن حطان کہتے ہیں کہ سب سے پہلا خطبہ جو زیاد نے دیا اسے لوگوں نے بیحد پسند کیا، اس کے بعد میں لوگوں کی بعض مجلسوں کے قریب سے گزرا تو میں نے ایک شخص کو دوسرے سے کہتے ہوئے سنا کہ یہ نوجوان عرب کا سب سے بڑا خطیب شمار ہوتا، اگر وہ اپنے خطبہ میں قرآن مجید کے کچھ حصے کو بھی شامل کر لیتا، قرآن کے نزول سے لے کر اب تک عرب کے ادیب اس سے فیضیاب ہوتے رہے ہیں۔

عہد جاہلیت میں خطباء کا انداز خطابت اور تھا، مگر اسلام آیا اور قرآن کریم نازل ہوا، تو اب فصیح وبلیغ اور عمدہ خطیب باعتبار ادب بھی وہی سمجھا جاتا تھا، جو آیات کلام اللہ کو سلیقہ سے اپنے خطبہ میں سمو سکے، چنانچہ اسلامی خطیبوں میں امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بہترین خطیب شمار ہوتے ہیں، ان کے خطبوں کی یہی خصوصیت نمایاں ہے۔

استشہاد کے موقعہ پر اگر قرآن کریم اور دوسری اساس استشہاد یعنی حدیث وشعر وغیرہ کو سامنے رکھا جائے تب بھی قرآن کریم ہی استشہاد کی بنیادی کڑی نظر آتا ہے، وجہ یہ ہے کہ بانیین اصول وقواعد اور نحویوں کے نزدیک خواہ عربی جاہلیت کی شاعری ہو یا اسلامی شاعری، علم نحو کے ارتقاء اور بتدریج عروج تک پہنچانے میں اشعار کو بڑا دخل ہے، اس کے باوجود یہ مسلم ہے کہ شعر قرآن کریم کے آثار میں سے ایک اثر اور دلائل میں سے ایک دلیل ہے، کیونکہ اگر قرآن کریم نہ ہوتا تو راوی اشعار جمع کرنے کا اسقدر اہتمام نہ کرتے۔

امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ پچھلی بیشتر امتوں کی لغات ختم، یا عدم محافظت اور بے توجہی کے باعث دوسری لغات میں ضم ہو گئیں، مگر یہ قرآن کریم کا فیضان ہے کہ اس کی حفاظت اور اس کی اشاعت میں پوری توجہ کی بنا پر علمائے اسلام نے عربی لغات کی حفاظت کا پورا اہتمام کیا اور زمانہ کی دستبرد سے اس کو بچالیا، ابوزکریا الفراء کا قول ہے کہ ''عربی اسالیب میں فصیح ترین لغت قرآن ہے''۔

جب قرآن کریم نازل ہونا شروع ہوا تو عرب میں فصاحت وبلاغت کا بازار گرم تھا، ایک سے ایک ادیب اور شاعر جسے اپنی شاعری اور فصاحت پر ناز تھا، موجود تھے، مگر قرآن کی ادبیت اور فصاحت وبلاغت کا مقابلہ ان کے بس کا روگ نہ تھا۔

سورۂ الکوثر نازل ہوئی تو سب نے مل کر زور لگایا مگر ایک مصرعہ بھی اس جیسا موزوں نہ ہو سکا، لبید عرب کا مشہور شاعر تھا، لیکن قرآن کریم کے نازل ہونے کے بعد اس کی فصاحت وبلاغت اور اثر انگیزی سے اتنا متاثر ہوا کہ شاعری ہی بالکل چھوڑ دی۔

☆☆☆☆☆☆☆

راہ سنت

کھانے کے آداب آئینہ نبوی ؐ میں

مولانا محمد عمران اکبرآبادی دارالعلوم دیوبند

دنیا میں قدرت نے بے شمار مخلوقات کو پیدا کیا، ان تمام میں انسان کو اشرف وافضل بنا کر ان کو وہ عادات واطوار دیئے جو کسی مخلوق کو نہیں عطاء کئے، اگر انسان ان عادات واطوار کے مطابق زندگی بسر کرے گا تو اس کو اچھا معاشرہ فراہم ہوگا اور اچھے معاشرے کی نظیر آپ ﷺ کی مکمل زندگی ہے، جس کو باری تعالی نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے " **لقد کان لکم فی رسو ل الله اسوة حسنة**"(الاحزاب ۲۱)

ترجمہ: ''یقیناً تمہارے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی بہترین نمونہ ہے''۔

اس لیے ضروری ہے کہ ہم ہر کام میں آپ حضور ﷺ کے عادات واطوار کا پورا خیال رکھیں، خواہ وہ معاشی زندگی سے تعلق رکھتے ہوں یا معاملاتی زندگی سے، ان ہی عادات واطوار میں کھانے کا مسئلہ بھی ہے، کوئی فرد بشر ایسا نہیں ہے جو کھانا نہ کھاتا ہو، اس لیے کہ کھانا انسانی زندگی کا جزء لازم ہے، مگر یہ بات ذہن نشین رکھنا ضروری ہے کہ ہماری زندگی کا مقصد صرف کھانا پینا نہیں ہے؛ بلکہ اللہ کی بندگی ہے۔

اور عبادت کے مقبول ہونے کے لیے یہ بات لازمی ہے کہ جس چیز کو ہم غذا کے طور پر استعمال کررہے ہیں وہ پاک وصاف اور حلال ہو، چنانچہ حق تعالی کا ارشاد ہے۔''**یا أیھا النا س کلوا مما فی الأرض حلالا طیباً**'' (البقرہ ۱۶۸)

ترجمہ: زمین میں جتنی بھی حلال اور پاکیزہ چیزیں ہیں انھیں کھاؤ پیو!

نیز اسی سورت میں دوسری جگہ فرمایا گیا ہے۔''**یاأیھا الذین آمنوا کلوا من طیبات ما رزقناکم** (البقرہ ۱۷۲)

ترجمہ: اے ایمان والوں جو پاک چیزیں ہم نے تم کو مرحمت فرمائی ہے ان میں سے کھاؤ۔ جس طرح حق تعالی نے ان آیات میں حلال اور پاک چیز کھانے کا حکم دیا ہے، اسی طرح حرام اور ناجائز کھانے سے منع بھی فرمایا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری ہے۔ " **ولا تاکلوا مما لم یذکر اسم الله علیه وانه لفسق** "(الانعام ۱۲۱)

ترجمہ: اور ان (جانوروں) میں سے مت کھاؤ جن پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو اور یہ (امر) بے حکمی ہے۔

تو ان تمام آیات سے یہ امر واضح ہوا کہ انسان کا کھانا حلال اور پاک ہونا چاہئے اور حرام کھانے سے انسان کو بچنا چاہئے، دوسرا امر یہ ظاہر ہوا کہ کھانا سادہ ہو زیادہ چٹ پٹے قسم کا نہ ہو، اس لیے کہ چٹ پٹے کھانے صحت وتندرستی کے لیے اکثر مضر ثابت ہوتے ہیں ''راجسٹ بورن'' کہتا ہے کہ سادہ کھانا تندرستی اور تازگی کا باعث ہے؛ کیونکہ انسانی جسم کا نظام اس کے کھانے کے موافق ہے، ایسا کھانا جس میں مرچ مصالحہ کی وجہ سے مصنوعی لذت اور لطافت پیدا کی گئی ہو وہ قطعی صحت کے لیے مفید نہیں، روسٹ، بروسٹ، چرغہ اور چکن سبھی وہ اصطلاحات ہیں جو نئی اور یورپی دنیا نے ہمیں دی ہیں؛ حالانکہ یہ چیزیں قطعی طور پر صحت کے موافق نہیں ہوسکتیں۔

ان غذاؤں کی وجہ سے السر (Ulcer) معدے کی تیزابیت (Acidity of stomach) بدہضمی (Indig Estion) اور بواسیر (Plies) پیدا ہورہی ہیں۔

اسلام نے ہمیں سادہ غذا استعمال کرنے کا حکم دیا ہے، جس میں مزہ بھی ہے اور صحت وتندرستی بھی، اس لیے ضروری ہے کہ کھانے سے قبل ان عادات واطوار کا پورا خیال رکھا جائے، جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں تاکہ ہمارا کھانا بھی عبادت بن جائے۔

ماہرین اغذیہ اس بات پر متفق ہیں کہ اسی ۸۰/فیصد امراض صرف اورصرف کھانے کی وجہ سے ہوتے ہیں، اس وقت تمام یورپین ماہرین اس بات کی تشریح اورریسرچ (RESEARCH) میں مصروف ہیں کہ انسانی جسم کو کن کن کھانوں کی ضرورت ہے، انسان کیا کھائے اور کیا نہ کھائے۔

حتی کہ صرف کھانے کی تحقیق پر ماہرین ڈاکٹریٹ (PH-D) کی ڈگری دی جاتی ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرابن ابی سلمہ سے فرمایا: ''**یاغلام سم اللّٰہ وکل بیمینک وکل مما یلیک**'' (بخاری ومسلم)

اے بچے! بسم اللہ پڑھ کر اپنے داہنے ہاتھ اوراپنے سامنے سے کھاؤ۔

اس حدیث شریف سے ہمیں کھانے کے تین آداب معلوم ہوئے۔

(۱) کھانے سے قبل بسم اللہ پڑھنا، اس لیے کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جس کھانے پر بسم اللہ نہ پڑھا جائے شیطان اس پر قبضہ کرلیتا ہے، اس لیے ضروری ہے کہ کھانے سے پہلے ''بسم اللہ وعلی برکۃ اللّٰہ '' پڑھا جائے اوراگر کھانا شروع کرتے وقت بسم اللہ پڑھنا یاد نہ رہے تو جس وقت یاد آئے کہے'' بسم اللہ اولہ وآخرہ ''۔

(۲) دایاں ہاتھ استعمال کرنا، یہ سنت بھی ہے اوراس میں ایک طبی فائدہ بھی، وہ یہ ہے کہ انسان کے دائیں ہاتھ سے غیر مرئی شعائیں (INVISIBLE RAYS) نکلتی ہیں اور بائیں ہاتھ سے بھی، لیکن دائیں ہاتھ کی شعائیں مثبت (POSITIVE) اور بائیں ہاتھ کی شعائیں منفی (NEGATIVE) ہیں، مثبت میں شفا اور منفی میں مرض ہے۔

چونکہ بایاں ہاتھ استنجاء کے لیے استعمال ہوتا ہے، اس میں کسی بھی وقت کوئی جراثیم (GERMS) رہ سکتا ہے۔

(۳) اپنے سامنے سے کھانا، اس میں اس بات کی احتیاط ہے کہ سامنے والے کو برا محسوس نہ ہو، اس لیے آدمی کو اپنے سامنے سے کھانا تناول کرنا چاہئے۔ اوراس رعایت ومصلحت پر بھی مبنی ہے کہ دسترخوان پر شریک دوسرے کھانے والوں کو تکلیف ہوگی، اگر ان کے سامنے سے کھانے لگیں گے تو انہیں اس سے ناگواری ہوگی۔

ایک حدیث میں ہے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے تورات میں پڑھا تھا کہ کھانے سے فراغت کے بعد وضو (یعنی ہاتھ دھونا) برکت کا سبب ہے، میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ مضمون عرض کیا، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کھانے سے قبل اور کھانے کے بعد وضو (یعنی ہاتھ منہ دھونا) برکت کا سبب ہے۔

اس حدیث میں کھانے سے قبل ہاتھ دھونا اور کلی کرنا مسنون قرار دیا گیا ہے، انسانی زندگی کے معمولات میں ہے کہ انسان کھانے سے قبل ہاتھ نہیں دھوئے گا تو بہت سے جراثیم جو اس کے ہاتھوں پر چپکے ہوتے ہیں کھانے کے ساتھ اس کے پیٹ میں پہنچ جائیں گے، جس کی وجہ سے انسان بہت سے امراض میں مبتلا ہوسکتا ہے، اس لیے ضروری ہے کہ کھانے سے قبل ہاتھ دھولیے جائیں اور کھانے سے قبل کلی کرنا اس لیے ضروری ہے کہ انسان کی ہوا اور سانس کے ذریعے گرد وغبار اور جراثیم (GERMS) اندر جاتے رہتے ہیں، اب اگر نوالہ نگلے گا تو ان جراثیموں کو بھی نگل جائے گا۔

اسی طرح کھانے کے اور بھی آداب ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں، جن پر عمل کر کے سنت کی تابعداری کا ثواب بھی مل سکتا ہے اور طبی فائدے بھی حاصل ہوسکتے ہیں۔

کھانے کو پھونک کر نہ کھائیں اس لیے کہ انسان آکسیجن (OXYGeN) لیتا ہے اور کاربن ڈائی آکسائیڈ (CORBONDIOXIDE) خارج کرتا ہے، اب اس کاربن ڈائی آکسائیڈ کے اندر بے شمار جراثیم ہوتے ہیں، جب یہ پھونک مارے گا تو اس پھونک کے ذریعے جراثیم (GERMS) بھی کھانے میں شامل ہوجائیں گے۔

مل جل کر کھانا کھائیں - پیتھالوجی (PATHOTOGY) کے ایک

پروفیسر نے انکشاف کیا ہے کہ جب مل جل کر کھانا کھایا جاتا ہے، تو تمام کھانے والوں کے جراثیم کھانے میں مل جاتے ہیں، جو دوسرے تمام امراض کے جراثیموں کو ختم کر دیتے ہیں اور اس طرح وہ کھانا بے ضرر بن جاتا ہے اور کھانے میں بعض اوقات شفاء کے جراثیم مل کر تمام کھانے کو شفاء بنا دیتے ہیں جو کہ معدہ کے امراض کے لیے مفید ہیں۔

کھانے کو چبا کر کھائیں- جدید تحقیق کے مطابق ڈینٹل سرجن (DENTAL SURGEON) اس بات کے تصدیق کرتے ہیں کہ جو آدمی کھانا کم چباتا ہے اس کے دانت جلدی خراب ہو جاتے ہیں اور اگر ایک طرف کھانا چبایا جائے تو دوسری طرف کے دانت خراب ہو جائیں گے، لہٰذا دونوں طرف سے کھانا خوب چبا کر کھایا جائے۔

ٹیک لگا کر کھانا نہ کھائیں- اگر کھانا ٹیک لگا کر کھایا جائے تو اس کے تین نقصان ہیں۔

(۱) کھانا صحیح طور پر چبایا نہیں جائے گا اور اس میں لعاب جس مقدار میں ملنا تھا اور پھر معدے میں جا کر نشاستہ دار اغذیہ (CORBHOYDRTES) کو ہضم کرنا تھا وہ نہیں مل سکے گا، جس سے نظام انہضام (DIGESTIVE SYSTEM) متاثر ہوگا۔

(۲) ٹیک لگا کر بیٹھنے سے معدہ پھیل جاتا ہے جس سے غیر ضروری خوراک معدے میں چلی جائے گی اور نظام انہضام متاثر ہوگا

(۳) ٹیک لگا کر کھانے سے آنتوں اور جگر (LIVER) کے نظام پر برا اثر پڑتا ہے۔

کھانے کے آداب

(۱) کھانے میں عیب نہ نکالیں، جو پسند آئے کھالیں اور جو نا پسند ہو، اسے چھوڑ دیں۔

(۲) چھوٹے لقمے کھائیں، بڑے لقمے کھانے سے بچنا چاہئے۔

(۳) اگر کوئی لقمہ یا روٹی کا ٹکڑا زمین پر گر جائے تو اسے اٹھا کر صاف کر کے کھالینا چاہئے۔

(۴) انگلیوں کو دھونے سے پہلے خوب چاٹ لینا چاہئے۔

(۵) آپ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر و بیشتر صرف تین انگلیوں سے کھانا نوش فرماتے یعنی انگوٹھے، شہادت کی انگلی اور بیچ والی انگلی سے، اگر کوئی چیز تلی ہوئی ہو تو شاذ و نادر بیچ والی انگلی کے برابر والی انگلی سے بھی کام لیتے، اس لیے کھاتے وقت تین انگلیوں کا ہی استعمال کرنا چاہئے۔

(۶) اکڑو بیٹھ کر یا دو زانوں ہو کر یا ایک گھٹنا بچھا کر اور دوسرا کھڑا کر کے بیٹھنا اور پھر کھانا کھانا چاہئے، اس سے معدے کو تندرست رکھنے میں بڑی مدد ملتی ہے۔

(۷) کھانے کی مجلس میں جو شخص سب سے زیادہ بزرگ اور بڑا ہو اس سے کھانا شروع کرانا چاہئے۔

(۸) کھانے کے بعد برتن پیالہ و پلیٹ کو صاف کر لینا چاہئے۔

(۹) جوتا اور چپل اتار کر کھانا کھانا چاہئے۔

(۱۰) کھانے کے بعد یہ دعا پڑھنی چاہئے۔

(۱۱) اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَجَعَلَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ.

(۱۲) پہلے دسترخوان اٹھانا چاہئے پھر خود اٹھنا چاہئے۔

(۱۶) دسترخوان اٹھاتے وقت یہ دعا پڑھنی چاہئے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ حَمْداً كَثِيْراً طَيِّباً مُبَارَكاً فِيْهِ غَيْرَ مَكْفِيٍّ وَلاَ مُوَدَّعٍ وَلاَ مُسْتَغْنِى عَنْهُ رَبَّنَا .

(۱۷) جب کسی کی دعوت کھائے تو میزبان کو یہ دعا دیں۔

اَللّٰهُمَّ اَطْعِمْ مَنْ اَطْعَمَنِىْ وَاَسْقِ مَنْ سَقَانِىْ .

(۱۸) نیز یہ دعا بھی دیں" اَكَلَ طَعَامَكُمُ الاَبْرَارُ وَصَلَّتْ عَلَيْكُمُ الْمَلٰئِكَةُ وَاَفْطَرَ عِنْدَكُمُ الصَّائِمُوْنَ".

(۱۹) کھانے کے وقت بالکل خاموش رہنا مکروہ ہے، لیکن غم و فکر اور مرض کی بات نہیں کرنی چاہئے۔

(۲۰) کھانے سے فارغ ہو کر دونوں ہاتھ دھو لینا چاہئے اور کلی کر لینا چاہئے۔

☆☆☆☆

گوشۂ خواتین

پانچویں قسط

\CLIPS\ not found

اسلام میں پردہ کی اہمیت

\CLIPS\ not found.

سارہ عزیزی ناظمہ جامعہ فاطمۃ الزہراءللبنات، مظفرآباد

برقع یا جلباب کا حکم :

چوتھی آیت سورہ احزاب میں ہے: یایھا النبی قل لازواجك وبناتك ونساء المؤمنین یدنین علیھن من جلابیبھن الآیة (سورۃ احزاب ۵۹)

یعنی اے نبی اپنی بیویوں، صاجزادیوں اور دوسرے مسلمانوں کی عورتوں سے کہہ دیجئے کہ وہ اپنے اوپر تھوڑی سی چادریں لٹکالیا کریں، اس آیت میں (حرہ) آزاد عورتوں کے پردہ کے لیے حکم ہوا ہے کہ ”یدنین علیھن من جلابیبھن“ اس میں ”یُدۡنِیۡنَ“ ”اِدۡنَاءٌ“ سے مشتق ہے، جس کے لفظی معنی قریب کرنے کے ہیں اور لفظ علیہن کے معنی اپنے اوپر اور ”جلابیب“ جمع جلباب کی ہے، جو ایک خاص لمبی چادر کو کہا جاتا ہے، اس چادر کی ہئیت کے متعلق حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ وہ چادر ہے جو دوپٹہ کے اوپر اوڑھی جاتی ہے (ابن کثیر) اور حضرت ابن عباسؓ نے اس کی ہیئت یہ بیان فرمائی ہے کہ ”اللہ تعالی نے مسلمانوں کی عورتوں کو حکم دیا کہ جب وہ کسی ضرورت سے اپنے گھروں سے نکلیں تو اپنے سروں کے اوپر سے یہ چادر لٹکا کر چہروں کو چھپالیں اور صرف ایک آنکھ (راستہ دیکھنے کے لیے) کھلی رکھیں۔ (معارف القرآن ج ۷ ص ۲۳۳)

یہ آیت پردہ کے سلسلہ میں نازل ہونے والی آیات میں بڑی اہمیت کی حامل ہے، چونکہ اس آیت سے بڑے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ پردہ کے حکم میں چہرے کا چھپانا بھی شامل ہے، چنانچہ علماء اور مفسرین نے اس آیت کے تحت چہرے کے پردہ پر خاصی بحث کی ہے، نیز اس آیت میں چونکہ خطاب صرف ازواج مطہراتؓ یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹیوں ہی کو نہیں، بلکہ واضح طور پر تمام مسلمان عورتوں کو ہے، اس لیے اس میں عام عورتوں کو حکم سے خارج کرنے کے لیے کسی تاویل یا تخصیص کی گنجائش بھی نہیں ہے۔ (پردہ کے شرعی احکام صفحہ ۲۸)

یہاں یہ بھی یاد رہے کہ آج کل جو برقع رائج ہے وہ جلباب کے قائم مقام ہے اور یہی مروجہ پردہ ہے جو شروع اسلام سے اب تک مسلمانوں میں رائج ہے، جس کو اس زمانہ کے مغرب زدہ ذہنیت کے لوگ ختم کرنا چاہتے ہیں، اس کے لیے قرآن پاک اور احادیث شریفہ کی من مانی تاویلیں کرتے ہیں، خود بھی گمراہ ہوتے ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں، اللہ ہم سب کی حفاظت فرمائے۔

غض بصر اور اخفائے زینت کا حکم :

پانچویں آیت سورہ نور کی پردہ سے متعلق یہ ہے ”وَقُلۡ لِلۡمُؤۡمِنِیۡنَ یَغُضُّوۡا مِنۡ اَبۡصَارِهِمۡ وَیَحۡفَظُوۡا فُرُوۡجَهُمۡ ذٰلِكَ اَزۡكٰی لَهُمۡ اِنَّ اللّٰهَ خَبِیۡرٌ بِمَا یَصۡنَعُوۡنَ وَقُلۡ لِلۡمُؤۡمِنَاتِ یَغۡضُضۡنَ مِنۡ اَبۡصَارِهِنَّ وَیَحۡفَظۡنَ فُرُوۡجَهُنَّ وَلَا یُبۡدِیۡنَ زِیۡنَتَهُنَّ اِلَّا مَاظَهَرَ مِنۡهَا الآیَةَ۔

”یعنی آپ مسلمان مردوں سے کہہ دیجئے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں (یعنی جس عضو کو دیکھنا مطلقاً ناجائز ہے اس کو بالکل نہ دیکھیں اور جس کو فی نفسہ دیکھنا جائز ہے، مگر شہوت سے جائز نہیں اس کو شہوت سے نہ دیکھیں) اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں (یعنی ناجائز محل میں

شہوت رانی نہ کریں) یہ ان کے لیے زیادہ صفائی کی بات ہے، بے شک اللہ تعالیٰ کو سب خبر ہے، جو کچھ لوگ کیا کرتے ہیں (پس خلاف کرنے والے سزا یابی کے مستحق ہوں گے) اور (اسی طرح) مسلمان عورتوں سے کہہ دیجئے کہ وہ بھی اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں، اور اپنی زینت کے (مواقع) کو ظاہر نہ کریں (یعنی سر سے پاؤں تک تمام بدن پوشیدہ رکھیں (بلحاظ دو استثناؤں کے) مگر جو اس (موقع زینت) میں سے غالباً کھلا ہی رہتا ہے اور (خصوصاً سر اور سینہ ڈھانکنے کا بہت اہتمام کریں) اور اپنے دوپٹے سینوں پر ڈالے رہا کریں اور اپنی زینت (کے مواقع مذکورہ) کو (کسی پر) ظاہر نہ ہونے دیں، مگر اپنے شوہروں پر یا اپنے محارم پر یعنی اپنے باپ پر یا اپنے شوہر کے بیٹوں پر یا اپنی (یعنی دین شریک) عورتوں پر (یعنی مسلمان عورتوں پر) یا اپنی لونڈیوں پر (مطلقاً گو وہ کافر ہی ہوں) یا ان مردوں پر جو (محض کھانے پینے کے واسطے) طفیلی کے طور پر رہتے ہوں اور ان کو بوجہ حواس درست نہ ہونے کے عورتوں کی طرف ذرا توجہ نہ ہو (یعنی مسلوب العقل ہوں) یا ایسے لڑکوں پر جو عورتوں کے پردہ کی باتوں سے ابھی واقف نہیں ہوئے (مراد وہ بچے ہیں جو ابھی بلوغ کے قریب نہیں پہونچے اور انہیں) شہوت کی کچھ خبر نہیں اور (چلنے میں) اپنے پاؤں زور سے نہ رکھیں کہ ان کا مخفی زیور معلوم ہوجائے (یعنی زیور کی آواز غیر محرم کے کان تک پہونچے) اور مسلمانو! تم سے جو احکام میں کوتاہی ہوگئی ہو تو تم سب اللہ کے سامنے توبہ کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔ (بیان القرآن)

سورہ نور کی یہ آیات واقعہ افک کے وقت نازل ہوئی ہیں، جو غزوہ بنی المصطلق یا مریسیع سے واپسی پر پیش آیا اور یہ غزوہ ۶ھ میں ہوا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ سورہ نور کی یہ آیت نزول کے اعتبار سے بعد میں آئی اور سورہ احزاب کی مذکورہ تمام آیتیں جو حجاب سے متعلق ہیں، پہلے نازل ہوئی ہیں اور شرعی پردہ کے احکام اسی وقت سے شروع ہوئے جب سے کہ سورہ احزاب کی آیات نازل ہوئیں۔

اس آیت میں چند احکامات بیان کئے گئے ہیں

۱- غض بصر: آیت میں مذکور ''یغضو'' کا لفظ ''غض'' سے مشتق ہے، جس کے معنی کم کرنے اور پست کرنے کے ہیں (مفردات القرآن) اور نگاہ پست اور نیچی رکھنے سے مراد نگاہ کو ان چیزوں سے پھیر لینا ہے، جن کی طرف دیکھنا شرعاً ممنوع و ناجائز ہے۔ (ابن کثیر)

۲- شرمگاہوں کی حفاظت:

اس سے مراد یہ ہے کہ نفس کی خواہشات پوری کرنے کی جتنی ناجائز صورتیں ہیں، ان سب سے اپنی شرمگاہوں کو محفوظ رکھیں، اس میں زنا، لواطت، دو عورتوں کا باہمی سحاق جس سے شہوت پوری ہوجائے، ہاتھ سے شہوت پوری کرنا، یہ سب ناجائز اور حرام چیزوں میں داخل ہیں۔

۳- اخفائے زینت:

زینت کے معنی آرائش اور زیبائش کے ہیں، خواہ وہ خلقی اور قدرتی ہو، جیسے چہرہ، دونوں ہاتھ اور ہتھیلیاں، یا مصنوعی اور اختیاری ہو، جیسے پوشاک اور زیور وغیرہ، یہ سب چیزیں زینت ظاہرہ یعنی ''الّا ماظھر منھا'' میں داخل ہیں، جن کا اظہار سوائے محارم کے اور کسی کے سامنے جائز نہیں، آیت میں بجائے لفظ ''القاء'' کے لفظ ''ضرب'' استعمال کیا گیا ہے اور ''ولیضربن بخمرھن علی جیوبھن'' فرمایا گیا، جس سے مقصود مبالغہ ہے کہ خوب اچھی طرح چھپ جائے کھلا نہ رہے، آگے دوسرا استثناء ان مردوں کا بیان کیا گیا ہے، جن سے شرعاً پردہ نہیں جس کے دو سبب ہیں، اول تو جن مردوں کو مستثنیٰ کیا گیا ہے وہ محارم ہیں، ان سے کسی فتنہ کا خطرہ نہیں، دوسرے ہر وقت ایک جگہ رہنے کی ضرورت بھی سہولت پیدا کرنے کی مقتضی ہے، یہ بھی یاد رکھنا ضروری ہے کہ شوہر کے سوا دوسرے محارم کو جو مستثنیٰ کیا گیا ہے، وہ احکام حجاب اور پردہ سے استثناء ہے، ستر عورت سے استثناء نہیں، عورت کا جو بدن ستر میں داخل ہے، جس کا کھولنا نماز میں جائز نہیں، اس کا دیکھنا محارم کے لیے بھی جائز نہیں۔

اس آیت میں آٹھ قسم کے محرم مردوں اور چار دوسری اقسام کا پردہ

سے استثناء کیا گیا ہے اور سورہ احزاب کی آیت جونزول میں اس سے مقدم ہے، اس میں صرف سات اقسام کا ذکر ہے، پانچ کا اضافہ سورہ نور کی آیت میں کیا گیا ہے، جو اس کے بعد نازل ہوئی ہے، اس جگہ لفظ محرم عام معنی میں استعمال ہوا ہے، جو شوہر پر بھی مشتمل ہے، فقہاء کی اصطلاح میں محرم کی جو خاص تفسیر ہے کہ جس سے کبھی نکاح جائز نہ ہو، وہ یہاں مراد نہیں، سورہ نور میں ان بارہ مستثنیات کی تفصیل یہ ہے:

سب سے پہلے شوہر ہے جس سے بیوی کے کسی عضو کا پردہ نہیں، اگر چہ اعضاء مخصوصہ کو بلا ضرورت دیکھنا خلاف اولی ہے۔

دوسرے باپ ہے، جس میں دادا پردادا سب داخل ہیں۔

تیسرے شوہر کا باپ ہے، اس میں بھی دادا پردادا سب داخل ہیں۔

چوتھے اپنے لڑکے جو اپنی اولاد میں ہیں۔

پانچویں شوہر کے لڑکے جو کسی دوسری بیوی سے ہوں۔

چھٹے اپنے بھائی اس میں حقیقی بھی داخل ہیں اور باپ شریک یعنی علاتی اور ماں شریک یعنی اخیافی بھی، لیکن ماموں، خالہ چچا، تایا اور پھوپھی کے لڑکے جن کو عرف عام میں بھائی کہا جاتا ہے وہ اس میں داخل نہیں، وہ غیر محرم ہیں۔

ساتویں بھائیوں کے لڑکے، یہاں صرف حقیقی یا علاتی یا اخیافی بھائی کے لڑکے مراد ہیں، دوسرے عرفی بھائیوں کے لڑکے شامل نہیں۔

آٹھویں بہنوں کے لڑکے، اس میں بھی بہنوں سے حقیقی، علاتی اور اخیافی بہنیں مراد ہیں، ماموں زاد، چچازاد بہنیں داخل نہیں، یہ آٹھ قسم تو محارم کی ہیں۔

نویں قسم "نسائھن" یعنی اپنی عورتیں جس سے مراد مسلمان عورتیں ہیں کہ ان کے سامنے بھی وہ تمام اعضاء کھولنا جائز ہے، جو اپنے باپ بیٹوں کے سامنے کھولے جاسکتے ہیں اور یہ اوپر لکھا جاچکا ہے، کہ یہ استثناء احکام ستر سے نہیں، اس لیے جو اعضاء ایک عورت اپنے محرم مردوں کے سامنے نہیں کھول سکتی، ان کا کھولنا کسی مسلمان عورت کے سامنے بھی جائز نہیں، علاج ومعالجہ وغیرہ کی ضرورتیں مستثنیٰ ہیں، مسلمان عورتوں کی قید سے یہ معلوم ہوا کہ کافر ومشرک عورتوں سے بھی پردہ واجب ہے، وہ غیر محرم مردوں کے حکم میں ہیں۔

لیکن اس مسئلہ میں ائمہ مجتہدین کا اختلاف ہے، بعض نے کافر عورتوں کو مثل غیر محرم مردوں کے قرار دیا ہے، بعض نے اس معاملہ میں مسلمان اور کافر دونوں قسم کی عورتوں کا ایک ہی حکم رکھا ہے، کہ ان سے پردہ نہیں۔

دسویں قسم "اَوْ مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُھُنَّ" یعنی وہ جوان عورتوں کے مملوک ہوں، ان الفاظ کے عموم میں تو غلام اور لونڈیاں دونوں داخل ہیں، لیکن اکثر فقہاء کے نزدیک اس سے مراد صرف لونڈیاں ہیں، غلام مرد اس میں داخل نہیں، ان سے عام محارم کی طرح پردہ واجب ہے۔

گیارہویں قسم "اَوِ التَّابِعِیْنَ غَیْرِ اُولِی الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ" حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ اس سے مراد مغفل اور بدحواس قسم کے لوگ ہیں جن کو عورتوں کی طرف سے کوئی رغبت ودلچسپی نہ ہو۔ (ابن کثیر)

بارہویں قسم "اَوِ الطِّفْلِ الَّذِیْنَ" اس سے مراد وہ نابالغ بچے ہیں جو ابھی بلوغ کے قریب بھی نہیں پہنچے او رعورتوں کے مخصوص حالات وصفات اور حرکات وسکنات سے بالکل بے خبر ہوں اور جو لڑکا ان امور سے دلچسپی لیتا ہو، وہ مراہق ہے، یعنی قریب البلوغ ہے، اس سے پردہ واجب ہے۔

☆☆☆☆☆

عورت

وجود زن سے ہے تصویر کائنات میں رنگ
اسی کے ساز سے ہے زندگی کا سوز دروں
شرف میں بڑھ کے ثریا سے مشت خاک اس کی
کہ ہر شرف ہے اسی درج کا درمکنوں
مکالمات فلاطوں نہ لکھ سکی لیکن
اسی کے شعلے سے ٹوٹا شرار افلاطوں

☆☆☆☆☆☆

اصلاحیات

تربیت اطفال

حضرت مولانا محمد عمر مجاہد پوری

حضرت انسؓ بہت بڑے جلیل القدر صحابی ہیں ، صحاح ستہ فن حدیث کی معتبر و مستند کتابوں میں ایک ہزار کئی سو حدیثیں آپ ہی کے واسطے سے روایت کی جاتی ہیں، خلیفۃ المسلمین حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت میں آپ تعلیم و تبلیغ اور لوگوں کو علم دین سکھانے کے لیے بصرہ میں تشریف لائے تھے، ان صحابیوں میں جنھوں نے بصرہ میں وفات پائی آپ سب سے آخری صحابی ہیں ۹۱ھ میں ایک سو تین سال کی عمر میں آپ کا انتقال ہوا اور آپ بصرہ میں مدفون ہوئے ، آپ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جانثار خادم تھے، آپ کی والدہ حضرت ام سلمہؓ آپ کی تعلیم و خدمت گزاری کے خیال سے سیدالانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد کر آئی تھیں، آپ نے دس سال تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی اور ہر قسم کی دینی و دنیوی برکتیں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس و مبارک زندگی سے حاصل کیں۔

جس وقت آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے کمسن بچے تھے،صرف آٹھ سال کی عمر تھی ، صغرسنی اور بچپن کا لحاظ کرتے ہوئے اس وقت جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ حضرت انسؓ کو سکھایا تھا وہ اس قابل ہے کہ قوم کے ہونہار بچے اس کو اپنا دستورالعمل بنائیں، وہ فرمان ایک حدیث سے اقتباس کر کے جس کے راوی خود حضرت انسؓ ہیں قوم کے نونہالوں کی سبق آموزی اور ان کے مطالعہ کے لیے پیش کیا جاتا ہے، اللہ تبارک وتعالی سے دعا اور اس کی بے نیاز ذات سے امید کی جاتی ہے کہ ہمارے ننھے مسلم بچے جن سے آئندہ بہت سی امیدیں وابستہ ہیں، جو کل اپنے خاندان، اپنے ملک اور اپنی قوم کے لیے نمایاں کام کریں گے اور اپنے اسلاف کے قدم بقدم چلتے ہوئے عزت و برتری کی زندگی بسر کریں گے، آسمان علم و ہنر پر چاند و سورج کی طرح چمکیں گے، جو اپنے بزرگوں کے کارناموں کو مٹنے نہیں دیں گے، اپنی قومی و مذہبی روایات کو از سر نو تازہ کریں گے، اسلام اور ملت بیضاء کے سچے خادم و مطیع و فرماں بردار بنیں گے، وہ سعادت مند نیک بخت بچے ان عالی قدر نصیحتوں اور ان بیش بہا جواہرات کلمات الرسول کو ہر حال میں اپنا دستورالعمل بنائیں۔

جناب حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ جب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو سب سے پہلے آپ نے مندرجہ ذیل نصیحتیں اور ہدایتیں پیش فرمائیں۔

۱- پیارے بیٹے انس نماز کے لیے پوری احتیاط کے ساتھ وضو کیا کرو، اس کی برکت سے اللہ تعالی تمہاری عمر دراز کریگا اور خدا کے فرشتے تمہاری حفاظت و نگہبانی کیا کریں گے۔

۲- پیارے بیٹے انس غسل کرتے وقت اس امر کا خیال رکھو کہ بدن کا کوئی حصہ کہیں سے خشک نہ رہ جائے؛ کیونکہ بال بال، روئیں روئیں کے نیچے گندگی ہوتی ہے، اس لیے جنابت و ناپاکی دور کرنے اور صفائی کے خیال سے غسل کیا کرو تو بالوں کی جڑوں کو تر کرلیا کرو اور سارے بدن کو خوب اچھی طرح سے دھو کر صاف کرلیا کرو، اس کا ثمرہ یہ ہے کہ خدا تعالی تمہارے گناہوں سے درگزر فرمائے گا اور تمہیں نیکی کرنے کی توفیق عطا فرمائے گا۔

۳- پیارے بیٹے انس جب تم نیت باندھ کر نماز کے لیے کھڑے ہو جاؤ تو قیام کی حالت میں یہ سمجھو کہ تم خدا کے حضور میں کھڑے ہوئے ہو اور جب تم رکوع میں جاؤ تو اپنی ہتھیلیاں اپنے گھٹنوں پر رکھو اور انگلیاں

کشادہ رہنے دو، اپنی کہنیوں کو اپنے پہلو سے علیحدہ رکھو اور جب تم رکوع کی حالت سے سمع اللہ لمن حمدہ کہہ کر کھڑے ہو جاؤ، تو اس قدر سیدھے ہو جاؤ کہ ہر ایک عضو اپنی اصلی حالت پر آ جائے اور جب سجدہ کرو تو اپنی جبین نیاز کو خدائے واحد کے سامنے خوب اچھی طرح سے زمین پر ٹیک لگا دو اور کوّے کی طرح ٹھونگیں نہ مارو، اور اپنی کہنیوں کو بھی فرش زمین پر لومڑی کی طرح نہ بچھاؤ اور جب تم اپنا سر سجدہ سے اٹھاؤ تو کتے کی بیٹھک نہ بیٹھو، الغرض نماز کے ہر رکن کو ٹھہر ٹھہر کر خوب اچھی طرح ادا کرو۔"فان الله لا ينظر الى صلوة لا يتم ركوعها ولا سجودها" کیونکہ اللہ تعالیٰ اس نماز کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا، جس کے رکوع وسجود اچھی طرح ادا نہ کئے گئے ہوں۔

۴- پیارے بیٹے انس اگر تم سے یہ ہو سکے کہ تم رات دن باوضو رہو تو تم ایسا ضرور کیا کرو، کیونکہ یہ نہایت ہی اچھا عمل ہے، سکرات الموت کے وقت اس کی بدولت کلمہ شہادت فوت نہیں ہوتا۔

۵- پیارے بیٹے انس جب تم گھر میں جایا کرو تو گھر والوں کو سلام کیا کرو، یہ تمہارے گھر والوں کے لیے برکت کا باعث ہوگا، پیارے بیٹے جب تم کسی کام کے لیے گھر سے نکلو تو جس اہل قبلہ یعنی مسلمان پر تمہاری نظر پڑے (خواہ وہ کسی درجہ کا آدمی ہو) اسے ضرور سلام کیا کرو، اس سے تمہارے قلب میں ایمان کی حلاوت پیدا ہوگی "تدخل فی قلبك حلاوة الايمان"۔

۶- پیارے بیٹے انس کوئی رات یا کوئی دن تم پر ایسا نہ گذرنے پائے کہ اس میں کسی مسلمان کی طرف سے تمہارے دل میں حسد وبغض کی آگ بھڑک رہی ہو۔

بیٹے انس جو کچھ تم سے کہا گیا ہے، یہی میرا طریقہ ہے اور یہی میری سنت ہے اور جو شخص میری سنت اور میرے طریقہ کی تقلید و پیروی کرے گا وہ مجھے ضرور محبوب و دوست رکھے گا اور جو مجھے دوست رکھے گا وہ میرے ساتھ جنت میں جائے گا۔

اے انس! اگر تم ان نصیحتوں پر عمل کرو گے اور میری وصیت کو یاد رکھو گے، اس کو اپنا دستور العمل بناؤ گے، تو تمہیں دنیا میں کوئی چیز تکلیف نہیں دے سکتی اور تم نہایت خوش اطمیان وراحت کے ساتھ زندگی بسر کرو گے، حتیٰ کی موت جو لوگوں کے نزدیک خوفناک چیز ہے وہ تمہارے لیے محبوب تر ہو جائے گی۔

☆☆☆☆☆☆

﴿بقیہ صفحہ ۱۵ کا﴾ قرآن وحدیث سے گہرا شغف رکھنے والا اور حکمت دین کا امانتدار— ایک ایسا عالم ربانی جو صاحب نسبت بھی ہو، ایک مخصوص ملکہ اور نفسی کیفیت کا مالک بھی— حضرت شاہ صاحبؒ نے صوفیائے کرام کے طریقہ اور ان کے بتائے ہوئے اذکار اور اشغال کو بیان کیا، ان کی افادیت واضح کی، ان کی تائید کی اور اس امانت کے احترام کے ساتھ یہ بھی بتایا کہ جو چیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے وراثۃً چلی آ رہی ہے، وہ کیا ہے اور عہد صحابہ کرام میں اس کو حاصل کرنے کا طریقہ کیا رہا ہے؟

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی یہ رائے ان کے معتدل اور متوازن مزاج کا ایک حصہ ہے، جو ان کے علم وتجربہ کی وسعت، غور وفکر کی غیر معمولی صلاحیت، تحلیل وتجزیہ پر بھرپور قدرت اور قرآن وحدیث کی حکمت سے گہری واقفیت کا آئینہ دار ہے اور یہ ان کی اجتہادی شان کا ایک رخ ہے!۔

☆☆☆☆☆☆☆

لطف مرنے میں ہے باقی، نہ مزہ جینے میں
کچھ مزہ ہے تو یہی خون جگر پینے میں
کتنے بیتاب ہیں جوہر مرے آئینے میں
کس قدر جلوے تڑپتے ہیں میرے سینے میں

لائحہ عمل

خطبۂ استقبالیہ

مولانا کبیر الدین فاران ناظم مدرسہ قادریہ مسروالا ہماچل

انجمن دعوت القرآن کے ناظم مولانا فاران نے علماء کرام کے ایک خصوصی اجلاس ۷/اپریل ۲۰۰۶ء کو یہ خطبہ استقبالیہ پڑھا جس میں آئندہ لائحہ عمل کے طور پر بعض اہم تجاویز پیش فرمائی، مضمون کی اہمیت کے پیش نظر قارئین اور مدارس کے ذمہ داران کے لیے شائع کیا جا رہا ہے۔ سب ایڈیٹر

ارباب فکر ودانش! آپ حضرات جانتے ہیں کہ اس وقت امت مسلمہ بڑے نازک دور سے گذر رہی ہے، فتنوں کی یورش ویلغار ہے اور تمام اسلام دشمن عناصر کی متحدہ طور پر خطرناک شازشیں اور پلان ہیں جن کا ایک نکاتی فارمولہ اس ملت کے وجود، اس کے تشخص، اس کے اسلامی شعائر، اس کے ایمانی اثاثے، اسلامی ورثے اور دینی مقتضیات کو ملیا میٹ کرنا ہے، یا اسے مغربی رنگ، ماڈرن طرز اور غیر اسلامی افکار میں آلودہ کر دینا ہے؛ تاکہ اسلام وقرآن کا خالص رنگ اس کا صاف ستھرا طریقہ اور پاکیزہ تعلیمات اصلی شکل میں باقی نہ رہ سکیں، ایک ایسی جماعت تیار کریں جس کا ذہن وفکر وعمل سامراجی ہو، جس پر افرنگ کی چھاپ ہو اور صرف ظاہری طور پر وہ مسلمان رہ جائیں۔

محترم حضرات! یہ حقیقت اظہر من الشّمس ہے۔ بقول مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی میاں ندویؒ کہ مدرسہ سے بڑھ کر دنیا میں کوئی زندہ متحرک اور مصروف ادارہ نہیں ہے، زندگی کے مسائل اور زندگی کے فریب بے انتہا، زندگی کے تغیرات اور زندگی کی ضرورتیں لامحدود، زندگی کی لغزشیں اور زندگی کے رہزن بے حساب، زندگی کی تمنائیں اور حوصلے بے شمار، مدرسہ نے جب زندگی کی رہنمائی اور دستگیری کی ذمہ داری اپنے اوپر لے لی تو اسے اب فرصت کہاں؟ دنیا میں ہر ادارہ، ہر مرکز کو راحت اور فراغت کا حق ہے، اس کو اپنے کام سے چھٹی مل سکتی ہے، مگر مدرسہ کو چھٹی نہیں، دنیا میں ہر مسافر کے لیے آرام ہے؛ لیکن اس مسافر کے لیے راحت حرام ہے، مدرسہ کا کام تو یہ ہے کہ وہ باضمیر، باعقیدہ، ایسے باایمان، ایسے باہمت فضلا پیدا کرے، جو اس ضمیر فروشی، اصول فروشی اور اخلاق فروشی کے دور میں روشنی کے مینار کی طرح قائم رہیں۔

خدا کا شکر ہے ہوا کے رخ پر چلنا مدرسہ کا اصول نہیں ہے، مدرسوں نے ہوا کے رخ پر چلنے کو قبول نہیں کیا اور عسر وتنگی کے ماحول میں افراد متین؛ بلکہ کارواں تیار کئے، کھیپ کی کھیپ اور جماعت کی جماعت تیار کی، انہیں اداروں سے نکلنے والے افراد نے ماضی میں، ہر طرح کے چیلنج کا مقابلہ کیا، ملک اور ملت کو گائڈ لائن دی اور حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب قدس سرہٗ، حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ، حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ، علامہ انور شاہ کشمیریؒ جیسی جلیل القدر شخصیات کو جنم دیا، ملت کی بقا واستحکام، ملک ووطن کی سالمیت اور ہر دور کے عروج وترقی کے لیے جن کی بے مثال قربانیاں ہمیشہ تاریخ کا زریں باب رہے گا۔

مگر آج افسوس کے ساتھ کہنا پڑ رہا ہے، کہ مدارس میں حد درجہ اضافہ اور قوم وملت کی گاڑھی کمائی کا علماء، مدارس پر نچھاور کرنے کے باوجود جس انداز کا نفع ہونا چاہئے تھا اس میں بہت ناکامی ہے، زندگی کی نبض سست اور قلب کی دھڑکن کمزور ہے کوئی حساس دردمند کبھی بھی

اس طرف نکل جاتا ہے تو اس کا دم گھٹنے لگتا ہے اور وہ اس بحر کا بل کو دیکھ کر کہنے لگتا ہے۔

خدا تجھے کسی طوفاں سے آشنا کر دے
کہ تیرے بحر کی موجوں میں اضطراب نہیں

ہمارے پاس اس وقت ملت اسلامیہ کے عروج وارتقاء، اسلامی شعائر کے تحفظ وبقا اور مردم گری ومردم سازی کے ذرائع میں مدارس ومکاتب ہیں، ان سے بہت کام ماضی میں بھی لیا گیا اور حال میں بھی لیا جارہا ہے اور مستقبل میں بھی انہیں کے ہاتھوں نیا موڑ ملے گا۔

اسی دریا سے اٹھتی ہیں وہ موج تند وجولاں بھی
نہنگوں کے نشیمن جس سے ہوتے ہیں تہہ وبالا

لیکن آج ہمارے رہتے ہوئے سماج ومعاشرہ میں اسلام سوز، ایمان سوز، اخلاق سوز، انسانیت سوز فتنے ابھر رہے ہیں مسیلمہ کذاب نئے نئے روپ میں آرہے ہیں، ہمارے رہتے ہوئے سماج ومعاشرہ میں سفا کی ہے، حلال وحرام کا امتیاز مفقود ہو چکا ہے، لہو ولعب میں سماج مصروف ہے، شادی بیاہ غیروں کے طریقوں پر ہوتے ہیں، فضول خرچیاں عروج پر ہیں، عریانیت نے ہمیں نادم کر دیا ہے، وہ کونسی جہالت ہے جو ہمارے ہوتے ہوئے جوان نہیں ہورہی ہے، خود ہمارا اندورن نظام کتنا مخدوش ہے، افراد سازی، رجال سازی، مردم گری اور شخصیت سازی جو مدارس کا طرۂ امتیاز رہا ہے، اس میں کتنی غفلت ہو چکی ہے، برانہ مانئے! کہنے والا بھی آپ ہی کا ایک فرد ہے، دنیا طلبی، جاہ طلبی، شہرت ونا موری اور ہر کام وخدمت کے صلے میں دولت، عزت اور ستائش کی تمنا کس طرح پیدا ہوگئی ہے، معاملات کو پس پشت ڈال دیا ہے، معاملات کے مسائل متحضر نہ ہونے کی وجہ سے ایک عالم، تاجر کو مطمئن نہیں کر پاتا، جس کا نتیجہ بالآخر یہ ہوا کہ ان تاجروں نے اپنے ذہنوں میں یہ بات بٹھالی کہ ان مسائل کے بارے میں علماء کے پاس کوئی حل نہیں، ان کے پاس جانا فضول ہے، اس لیے جو سمجھ میں آتا ہے کرو، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ آج ہماری تجارت، معیشت اور سیاست غیر اسلامی اصولوں پر چل رہی ہے، غرض بے دینی ہر طرف مختلف صورتوں میں پھن نکالے ہوئے ہے، مگر ہمیں اس کی فکر نہیں اور کبھی ان حالات پر غور نہیں کرتے۔

آپ حضرات عام مسلمانوں کے پیشوا اور مقتدا ہیں، اس لیے مجھے کہنے دیجئے، اس وقت کے باطل عناصر جن کو کبھی ہم نے تعلیم دی تھی، جنھوں نے ہمارے بڑوں کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا تھا، جنھوں نے ہماری یونیورسٹیوں سے اکتساب فیض کیا تھا، آج انھوں نے ہماری تباہی وبربادی اور معنوی نسل کشی کے لیے تعلیم کو استعمال کیا اور جگہ جگہ اسکولوں کا جال بچھا کر وہ آپ کی نئی نسل کے عقائد کے دشمن بنا رہے ہیں۔

علماء کرام! ان سب حالات نے مجھے مجبور کیا کہ ہم ہمت بھر اس کے لیے کھڑے ہوں اور اپنے مدارس ومکاتب کو نبوی نہج عطا کریں، اپنی خامیوں کا برملا اعتراف کر کے اچھائیوں کو فروغ دینے میں "تعاونوا على البر والتقوى ولا تعاونوا على الاثم والعدوان" کا وہ مظاہرہ کریں جس میں سب کا بھلا ہو، ملک وقوم کا فائدہ ہو، کوالٹی اور معیار بلند ہو اور فرق باطلہ کے رد کے لیے ماہرین کی ٹیم تیار کر کے تعلیم کا ہمہ گیر نظام جس میں سو فیصدی تعلیم ہو پھیلائیں اور جائزہ لیں، کہاں، کس طرح کے فرد کی، کتنی ضرورت ہے، اجتماعی طور پر اس کو ترقی دیں۔

درمندان ملت! آج جہالت بڑی خطرناک شکل میں ہمارے سامنے ہے، ابھی ایک بڑی تعداد قرآن پاک کے الفاظ سے بیگانہ ہے، عقائد کی بنیادی تعلیم سے محروم ہے اور وہ کیا ہے، کون ہے، اس سے وہ قطعاً نابلد ہے، یہ حال بچوں کا بھی ہے، بڑوں کا بھی، شہر والوں کا بھی ہے اور گاؤں والوں کا بھی، ہر جگہ اور ہر علاقے کے مسلمان دینی زندگی سے اسقدر دور اور خالی ہو چکے ہیں کہ خود ان میں دینی مزاج اور اسلامی مذاق پیدا کرنے کی مستقل کاوشوں کی ضرورت ہے، اللہ تعالی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو نائب اور نمائندہ بنایا تھا اور ہم ہی وہ آئینہ بن سکتے تھے، جس میں دوسری دنیا اسلام کی صورت دیکھ سکتی تھی، جگہ جگہ مکاتب قائم ہوں، بڑوں کے لیے تبلیغی جماعت کی طرف

رہنمائی اورآمادگی کا طریقہ ہو،اس سلسلے میں یہ عرض کرنا مناسب ہوگا کہ علاقے کے مرکزی ادارے اس فریضہ کو نبھائیں۔

مفکرین ملت ! آج قوم ان لوگوں کے انتظار میں ہے جوان کو زندگی کا نیاراستہ بتائیں اورحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام حیات آفریں سنائے ،دینا امیدوار ہے کہ انبیاء کی لائی ہوئی تعلیمات اور بتلائے ہوئے راستہ کو ان کے سامنے پیش کیا جائے ،مخلصانہ قدم میدان عمل میں رکھا جائے ،سرجوڑ کر بیٹھا جائے ،حالات کو سمجھا جائے ، ضروریات وتقاضوں کا جائزہ لیا جائے ۔مارکیٹ کی ضرورت کے مطابق افراد فراہم کئے جائیں ،اگر معاشرہ کی مارکیٹ کو سامان نہیں ملے گا تو وہ دوسروں کا سامان ،غیروں کا عقیدہ ،دشمنان دین کی تہذیب اوران کے طور ورطریقہ کو اپنائے گی۔

قرآن پاک نے علماءاورخواص کے طبقہ ہی کو مامور فرمایا ہے کہ وہ دوسرے کسی بھی فتنہ کو اسلامی ماحول میں دراندازی کی اجازت نہ دیں ، وہ محاذ پر ثابت قدم ہوجائیں ؛ کیونکہ ان کے پاس فہم واحساس بھی ہے ، دوربینی وحقیقت شناسی بھی ہے اوروسائل وذرائع بھی ان کی معمولی کوشش ،تھوڑی سی بے چینی اور دردمندی مدتوں کے لیے خطرات کو ٹال سکتی ہے ،یہ وہ جماعت ہے ،جس کی ذہانت اور جذبہ خدمت نے کبھی کسی منزل پر قیام اور کسی لکیر کا فقیر بننا گوارہ نہیں کیا ،ان کی نگاہ زندگی کے بدلتے تیوروں سے کبھی نہیں ہٹی ،انہوں نے اسلام کی خدمت کے لیے جس زمانہ میں ،جس چیز ،جس طرز اور جس اسلوب کی ضرورت سمجھی بلاتکلف اختیار کرلیا اوراپنے ذہن ودماغ کی طاقتوں کو صرف عربی مدارس کے قیام پر ہی منحصر نہیں کیا ،واقعہ یہ ہی ہے کہ موجودہ فتنوں کا مقابلہ صرف مدرسوں سے تو نہیں ہوسکتا ،ضرورت ہے افراد سازی اورجماعت سازی کی ،محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے مکی زندگی میں افراد تیار کئے اورمدنی زندگی میں جماعتی طرز کا کام شروع کیا۔

قرآن پاک نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے چارمقاصد بیان فرمائے (۱) تلاوت آیات (۲) تزکیۂ نفس (۳) تعلیم کتاب (۴) تعلیم حکمت - تابعین کے زمانہ تک امت میں ایسے افراد رہے ،جوان چاروں خصوصیات کے ہبک. وقت جامع تھے ،وہ قاری بھی تھے ،معلم کتاب بھی ،وہ معلم حکمت بھی تھے اورمزکی بھی ،مگر اس کے بعد سے یہ اوصاف تقسیم ہوگئے ،اللہ نے ان کے تحفظ کا انتظام مختلف افراد سے الگ الگ منصب وخصوصیت دے کر کردیا ہے ،ہم بھی ان اوصاف کے امین اور پاسبان تیار کریں اورہم اپنے مدارس کے تعلیمی تربیتی نظام کو بہت مضبوط بنائیں اوراس کے لیے تعلیمی تربیتی مرکز قائم کئے جائیں ،تاکہ نومشق ونوآموز استاذ فنی کمال اورکہنہ مشق افراد وماحول سے استفادہ کرکے معلم کے منصب جلیل کے وقار کو آگے چل کر اپنی تعلیم ،اخلاق وعادات اورکسی بھی حرکت سے ذلیل ورسوانہ کرے ،ان کو کسی بزرگ ولی کامل سے وابستہ کرائیں کہ بغیر مرد بینا اور صحبت صالحین کے دلوں میں صالح انقلاب نہیں آتا ،ہمارا بہت بڑا خسارا ہوا ،کہ ہم صرف علم اور تعلیم پر قناعت کرلی ہے۔

حضرات ! یہ کام سب ارباب مدارس اورعلماء کا ہے کہ ہم یکسوئی سے کام کریں تعمیری فنی کاموں میں وقت لگائیں اوراپنے سماج ومعاشرہ کی برائیوں کے ازالہ کے لیے میدان عمل میں آئیں ،اسی کے ساتھ اپنے برادران وطن کا بھی احساس ہو ،ہم ان کے کرب کو سمجھیں اورانہیں اپنے اخلاق وعادات سے اسلام کے قریب کریں ، دعوت وتبلیغ کا عمل تسلسل سے جاری ہو ،ہمارا ظاہر بھی اس راستہ کے پیشواؤں کے مطابق ہو ،جب جب مسلم قوم نے دعوت ایمانی کے عمل کو چھوڑا ہے وہ ذلت ورسوائی کا شکار ہوئی ہے۔

حضرات گرامی ! تقدیر الٰہی نے ہمارے لیے جس درد کا انتخاب کیا اس کی ذمہ داریاں بہت بڑھی ہوئی ہیں اس لیے ہمیں اپنے کام کی عظمت اورہمیں اپنے کو قیمتی اور کارآمد بنانے کی ضرورت ہے ،ذمہ داریوں سے گریز اور زمانہ سے شکست مردوں کا کام نہیں۔

بندہ کے ذہن میں چند تجاویز ہیں جن پر عمل پیرا ہوکر ہم اصلاح کی طرف بڑھ سکتے ہیں ،جومندرجہ ذیل ہیں :

۱- انجمن دعوت القرآن کے تحت تعلیمی، تربیتی سینٹر ومراکز قائم کئے جائیں۔

۲- ہرضلع میں انجمن دعوت القرآن کا ذیلی دفتر قائم کیا جائے۔

۳- صوبائی اورضلعی سطح پر ایک مجلس بنائی جائے۔

۴- مدارس ومکاتب کے چلانے کے باضابطہ اصول ہوں، جنکی رعایت کرنے میں تعلیمی، تربیتی نظام درست ہوسکے اور سبھی مدارس میں یکسانیت ہوکر اتحاد کی راہ ہموار ہو۔

۵- معیار تعلیم کے لیے اساتذہ باکمال، فنی اور کہنہ مشق وماحول سے باخبر، رکھے جائیں اور امتحان باہر کے تجربہ رکھنے والے غیر متعلق حضرات سے دلوایا جائے۔

۶- اساتذہ کی تنخواہیں زمانے کی گرانی ومہنگائی کے اعتبار سے ہوں تاکہ یکسوئی کے ساتھ تعلیم وتدریس میں مصروف رہ سکیں۔

۷- درمیان سال طویل تعطیل پر روک لگائی جائے۔

۸- صوبائی یا ضلعی سطح پر مدارس کے آپسی ربط کے لیے سال میں ذمہ داران کا کوئی خصوصی مشورہ ہو جایا کرے، جس میں کمیوں کی اصلاح کی صورتیں اور پیش آنے والی دشواریوں کا حل سامنے آئے۔

۹- وعظ وتقریر کے ذریعہ عوام سے ربط وتعلق قائم کرکے رسومات وبدعات اور عقائد باطلہ سے انحراف، ان کی دینی اصلاح کی فکر کا سامان کیا جائے۔

۱۰- بڑے بوڑھوں کو خصوصاً دعوت وتبلیغ کے ذریعہ اس کام میں نکال کر ان کے عقائد کی درستگی کا سامان کیا جائے، کہ اس کے بغیر عوامی اصلاح آسان نہیں۔

۱۱- مدارس کی اہمیت اور تعلیمی افادیت کے موضوع پر وعظ وتقریر کے ذریعہ روشنی ڈالی جائے اور عمومی اجلاس کا بھی انعقاد کیا جائے۔

۱۲- انجمن دعوت القرآن کے ذریعہ ان سب چیزوں میں استحکام لایا جائے اور انجمن کا دائرہ عمل وسیع تر کیا جائے۔

☆☆☆☆☆☆☆

رسید کتب

نام کتاب: خواتین کی اصلاحی تقریریں

جو

☆ معلمات وطالبات کے لیے ایک نادر تحفہ

☆ مدارس نسواں کی ایک اہم ضرورت کی تکمیل

☆ خواتین کے لیے گیارہ اہم تقریروں کا خوبصورت مجموعہ اور اپنے انداز کی منفرد کتاب ہے۔

مؤلف: ....مولانا محمد ارشد فیضی

صفحات: ۱۲۰

قیمت: ۱۴/روپے

ناشر: ....دارالکتاب دیوبند

عصری درسگاھوں کے طلبہ کے لیے اسلامی کورس

اسلامیات

یو، کے، جی سے بالترتیب چوتھی کلاس تک کے طلبہ کے لیے دینی معلومات کا اہم ذخیرہ:

یعنی

اسکول کے طلبہ کے لیے حفظ، ناظرہ، ترجمہ قرآن، حدیث شریف، عقائد، سیرت نبوی، فقہ، اسلامی تاریخ، دعاؤں اور اخلاقیات پر مشتمل جامع نصاب، اردو اور انگریزی میں:

اسلامیات (0) یو، کے، جی کے لیے

اسلامیات ع۱ پہلی جماعت کے لیے

اسلامیات ع۲ دوسری جماعت کے لیے

اسلامیات ع۳ تیسری جماعت کے لیے

اسلامیات ع۴ چوتھی جماعت کے لیے

مؤلف: ....مولانا محمد الیاس ندوی

ناشر: ....مولانا ابوالحسن علی ندوی اسلامک اکیڈمی بھٹکل کرناٹک

نئی کتابوں پر تبصرہ

مولانا نظام الدین ندوی استاذ مرکز احیاء الفکر الاسلامی

نام کتاب: تذکرہ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ
نام مؤلف: مولانا مفتی محمد مسعود عزیزی ندوی
صفحات: ۴۴
ناشر: دارالبحوث والنشر مرکز احیاء الفکر الاسلامی، مظفر آباد، سہارنپور
قیمت: ۵؍روپئے

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کوئی محتاج تعارف شخصیت نہیں، بلکہ ہزاروں مردہ دلوں کو ان کی روحانی تربیت سے زندگی ملی اور ان کا روحانی فیض مسلمانوں میں اب تک جاری وساری ہے، جس کا اعتراف اہل علم حضرات برابر کرتے رہے ہیں، اس میں کوئی شک نہیں کہ علماء کرام نے ان کی سیرت پر متعدد ضخیم اور مختصر کتابیں تصنیف کر کے ان کی زندگی کے نمایاں پہلوؤں کو عوام الناس کے سامنے پیش کیا ہے، لیکن ضرورت اس بات کی تھی کہ ان کی سیرت کے وہ گوشے مختصر اور سہل اسلوب میں ضبط تحریر میں لائے جاتے، جو موجودہ دور میں علماء وطلبا کے لیے مشعل راہ بن سکیں، مرکز احیاء الفکر الاسلامی کے ناظم اور جامعۃ فاطمۃ الزہراء کے شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی محمد مسعود عزیزی ندوی نے اپنی اس کتاب کے ذریعہ اس کمی کو دور کرنے کی کامیاب سعی کی ہے انھوں نے اپنی اس کتاب کو جس انداز میں مرتب کیا ہے اور اس کے اندر جو ذیلی عنوانات قائم کئے ہیں وہ نہ صرف اہم ہیں بلکہ ان کو پڑھنے کے بعد ہر انسان کی زندگی میں نمایاں تبدیلی آسکتی ہے، مثلاً ''طرز تعلیم ،طریقہ تدریس، طلبہ کو خصوصی ہدایات، اصلی درویشی اور علماء کی ضرورت، اصلاح وتربیت، تہذیب اخلاق، تعلیم وتربیت کے بنیادی اصول، اسوۂ حسنہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، اہتمام اتباع سنت ،فضولیات سے انقباض، حکیم الامت کی چند وصیتیں اور مشورے یہ اور اس طرح کے ایسے بہت سے ذیلی عنوانات ہیں جو قاری کے دل کو عمل پر اکساتے ہیں۔

کتاب کے اخیر میں مصنف نے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کا ایک تاثراتی مضمون ''حضرت تھانوی نقوش وتاثرات'' کو بھی شامل کیا ہے، جس سے کتاب کی قدر وقیمت میں خاصا اضافہ ہوگیا ہے، مجموعی طور پر یہ کتاب لائق مطالعہ اور طلبہ کے لیے خاص طور پر شاہ کار ہے بلکہ ہر اس شخص کے لیے مفید ہے جو اکابر کی زندگی سے روشنی حاصل کر کے اپنے اندر اصلاحی انقلاب لانا چاہئے۔

نام کتاب: دو آب دار موتی
افادات: حضرت مولانا برہان الدین سنبھلی
مرتب: مولانا مفتی محمد مسعود عزیزی ندوی
صفحات: ۴۴
ناشر: دارالبحوث والنشر مرکز احیاء الفکر الاسلامی، مظفر آباد، سہارنپور
قیمت: ۵؍روپئے

زیر نظر کتاب حضرت مولانا محمد برہان الدین سنبھلی مدظلہ العالی استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کی اس تقریر کا مجموعہ ہے جو انہوں نے جامعۃ فاطمۃ الزہراء للبنات کی طالبات کے سامنے بخاری شریف کے آخر حدیث کے درس کے موقع پر فرمائی تھی، اس میں انہوں نے امام بخاری کی عظمت ووقعت، ان کے کتاب کی اہمیت اور کتاب کی حسن ترتیب پر خاصی بحث کی ہے، حدیث کی تشریح کرتے ہوئے انہوں نے اپنے منفرد انداز میں فرقہ باطلہ کے نظریات کی جس انداز میں تردید کی ہے، اس سے صحیح عقیدہ کو سمجھنے میں کافی مدد ملتی ہے، پہلی اور آخری حدیث کے باہم ربط کو بھی انہوں نے خوبصورت انداز میں بیان کیا ہے اور قیامت کے دن وزن اعمال کے سلسلے میں معتزلہ کے انکاری نظریہ پر نہ صرف کھل کر بحث کی ہے بلکہ اس کو ثابت کرنے کے لیے بھی خاصے عقلی اور نقلی دلائل پیش کیے ہیں اس کے علاوہ حضرت مولانا نے دوران درس حدیث کے تحت جو علمی نکات بیان کئے ہیں وہ کافی حد تک متاثر کن اور غور طلب ہیں مجموعی طور پر چونکہ حضرت کی یہ تقریر عصر جدید کی روشنی میں کافی اہمیت کی حامل تھی اور عوام وخواص نے کافی پسند کیا تھا اس لیے عام استفادہ کی غرض سے مرکز احیاء الفکر الاسلامی کے ناظم جناب مولانا مفتی محمد مسعود عزیزی ندوی نے اپنی مسلسل جدوجہد کے بعد اسے یکجا کر کے کتابی شکل میں پیش کیا ہے، معمولی تغیر وتبدل کے ساتھ حضرت مفتی صاحب نے عام فہم انداز میں جگہ جگہ جس طرح کے ذیلی عنوانات قائم کئے ہیں جو ان کی علمی بصیرت پر دلالت کرتے ہیں، امید ہے کہ علماء طبقہ میں ان کی اس کتاب کی پذیرائی ہوگی اور صاحب ذوق حضرات اسے ہاتھوں ہاتھ لیں گے۔

☆☆☆☆☆

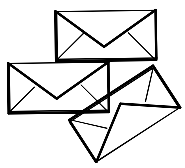

مراسلات

Markazu Ihyail Fikril Islami Muzffarabad.Saharanpur(u.p)

مکرمی جناب مولانا محمد مسعود عزیزی ندویؔ زید مجدکم

سلام مسنون

ماہ نامہ ''نقوش اسلام'' نظرنواز ہوا، شروع تا آخر محض دو نشستوں میں پڑھ گیا، ماشاءاللہ رسالہ اسم با مسمہ ہے، یہ جان کر متحیر بھی ہوا اور بے حد مسرور بھی ہوں کہ یہ رسالہ شہر سے دور ایک ایسی جگہ سے شائع کیا جارہا ہے، جو اپنی حیثیت سے بہت پچھڑا ہو، گھاڑ کا علاقہ ہے، امید ہے کہ مرکز جہاں تعلیم کو فروغ دے گا اسی کے ساتھ ساتھ علاقہ میں رہنے والے عوام میں مطالعہ اور تصنیف وتالیف کا بھی ذوق پیدا کرے گا۔

خدا سے دعا کرتا ہوں کہ یہ رسالہ دن دونی اور رات چوگنی کے مثل ترقی کرے اور اسلامی معلومات کا بے مثال ماہنامہ بنے۔ آمین

۲۰۰۶/۵/۱۵ء

پروفیسر محمد سلیمان

مدنی ٹیکنکل انسٹی ٹیوٹ دیوبند

گرامی قدر حضرت مولانا محمد مسعود عزیزی ندوی مدظلہ العالی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ.........مزاج سامی!

''نقوش اسلام'' کا شمارہ نظر نواز ہوا، جو ظاہری صورت کے ساتھ معنوی عکس کا حامل ہے، مضامین کی گیرائی اور گہرائی بتاتی ہے کہ آئندہ بھی یہ اپنی حقیقت پسندی کی راہ پر چلے گا۔ اور تمام تر نسبتوں کا مرجع ہوگا۔

اور مفکر اسلام حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ کی روح وروحانیت کا مجسمہ ثابت ہوگا۔

خطبہ استقبالیہ ارسال خدمت ہے، اگر مناسب سمجھیں تو شریک اشاعت فرمالیں۔

والسلام

کبیرالدین فارانؔ

مدرسہ عربیہ قادریہ مسروالا (ہماچل)

مکرمی جناب ایڈیٹر صاحب

سلام مسنون!

ماہنامہ ''نقوش اسلام'' کے اجراء سے آپ کے عزم وارادے کی خبر ملی حق تعالی مبارک فرمائے اور آپ کی سعی اقدام کو امت کے لیے مفید وبارآور بنائے۔ فقط

عبیداللہ الاسعدی

استاذ حدیث جامعہ عربیہ ہتھورا باندہ

مکرمی جناب ایڈیٹر صاحب............سلام مسنون!

آپ کا ماہنامہ ''نقوش اسلام'' نظرنواز ہوا، رسالہ کو دیکھ کر دل خوش ہوا، امید ہے کہ جلد ہی یہ رسالہ پاکیزہ اور تعمیری صحافت کے میدان میں خاص امتیاز حاصل کرلے گا، میں اپنی نیک خواہشات اور دعائیں مرکز احیاء الفکرالاسلامی اور اس کے ترجمان کے لیے پیش کرتا ہوں، اللہ تعالی ترقی اور قبولیت عطا فرمائے۔

مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی

دارالسلام، مالیرکوٹلہ، پنجاب

مکرمی جناب مولانا محمد مسعود عزیزی ندویؔ زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بعد آداب وتسلیم وتکریم، امید ہے کہ مزاج گرامی بعافیت ہوں گے، جنت نشاں ''جامعۃ الامام ولی اللہ الاسلامیہ'' پھلت میں جناب مولانا ارشد فیضی صاحب کی تشریف آوری پر ان سے ملاقات ہوئی، سلسلہ گفتگو میں مولانا نے اپنے ''ماہنامہ نقوش اسلام'' کا ذکر کیا، رسالہ کو دیکھا الحمدللہ شروع سے اخیر تک ظاہری اور معنوی خوبیوں سے بھرپور دیدہ زیب ٹائٹل اور فکر وتخیلات کے دریچوں میں سماجانے والا، دینی، دعوتی اور ادبی خوبیوں کا شاہکار اور صحافی میدان کا علمبردار، زبان سے بےساختہ نکلا۔ ایک چراغ اور جلا اور گھٹتی ہوئی تاریکی

علم وتحقیق کے اس دور میں صحافت کی حیثیت ایک غذا بن چکی ہے، جس کے بغیر چارہ نہیں، یقیناً آج کے اس پرفتن دور میں آپ نے اردو کے ارتقاء کے لیے یہ ایک انقلابی قدم اٹھایا ہے۔

اللہ تعالی سے استدعا ہے کہ صحافت پر نمودار ہونے والے اس ستارہ کو ادبی، دینی، دعوتی اور فکر اسلامی کے مواد سے ہمیشہ بھرپور اور روشن مستقبل کی طرف رواں دواں رکھے۔

عبدالقدیر یمنا نگری

جامعۃ الامام ولی اللہ الاسلامیہ، پھلت، یوپی

مکرمی جناب ایڈیٹر صاحب......سلام مسنون!

جون کا شمارہ ''نقوش اسلام'' نظرنوار ہوا، رسالہ کو تو دیکھ کر دل کھل اٹھا کہ جتنا خوبصورت ٹائیٹل ہے، اتنے ہی اچھے مضامین مواد سے لبریز ہیں، جو دل کو اپنی طرف اس طرح کھینچ رہے ہیں، جس طرح مقناطیس لوہے کو کھینچ لیتی ہے۔ اللہ تعالی کارکنان کو مزید ترقیات سے نوازے۔ فقط والسلام

خلیل الرحمٰن قاسمی

مدرسہ عربیہ رحمانیہ نورالعلوم جوری، کبیرنگر

حالات حاضرہ

عالمی خبریں News World

حافظ عبدالستار عزیزی

ڈنمارک کے اخبار کا ایڈیٹر زندہ جل کر مر گیا

''لاہور'' توہین آمیز خاکے شائع کرنے والے ڈنمارک کے بدنام زمانہ اخبار ''جاملکن بوسٹن'' کا بدبخت ایڈیٹر ''ایلیٹ بیک'' اپنے کمرے میں بھڑک اٹھنے والی آگ میں جل کر ہلاک ہوگیا ہے، پاکستانی روزنامہ نوائے وقت نے ایک سعودی اخبار کی رپورٹ کے حوالے سے یہ خبر دی ہے کہ ایلیٹ بیک اپنے کمرے میں سویا ہوا تھا، کہ اچانک آگ بھڑک اٹھی جس کی لپیٹ میں آ کر بدبخت ایلیٹ بیک زندہ جل کر ختم ہوگیا، اس ایڈیٹر نے ۳۰/دسمبر ۲۰۰۵ کو اپنے اخبار میں توہین آمیز خاکے شائع کئے تھے، جس پر ہندوستان سمیت دنیا بھر کے مسلمانوں نے شدید احتجاج کیا تھا، ڈنمارک کی حکومت اس کے جل مرنے کی خبر کو چھپانے کی کوشش کر رہی ہے، سعودی اخبار نے لکھا ہے، کہ اس ایڈیٹر کو اللہ کے عذاب نے سوتے ہوئے میں پکڑ لیا اور وہ زندہ جل کر جہنم واصل ہوگیا۔

سعودی نصاب بھی عالمی نشانہ پر

ریاض-سعودی عرب کا تعلیمی نظام عالمی برادری کے نشانہ پر ہے، اس کا انتہائی گہرائی کے ساتھ مطالعہ کیا جا رہا ہے، ایک رپورٹ کے مطابق سعودی نظام تعلیم آج بھی نقائص سے پر ہے، مغربی ممالک کی مختلف ایجنسیاں اس کا جائزہ لے رہی ہیں، ان تمام کا کہنا ہے کہ سعودی عرب میں جو نصاب رائج ہے وہ ''دوسروں'' سے نفرت کرنے کی تعلیم دیتا ہے، یہی وجہ ہے کہ گیارہ ستمبر ۲۰۰۱ء کو امریکہ کے دو شہروں پر جو حملے ہوئے تھے ان میں ملوث ۱۹/میں سے ۱۵/کا تعلق سعودی عرب سے ہے، اس لیے سعودی عرب پر اس کے لیے سخت دباؤ ڈالا جا رہا ہے، کہ وہ اپنے نصاب کو ''عالمی تقاضوں'' سے ہم آہنگ بنائے۔

اقوام متحدہ کی اپیل

نیویارک- اقوام متحدہ نے عالمی برادری سے اپیل کی ہے کہ وہ انسانی ہمدردی کی بنیاد پر فلسطینیوں کی بڑھ چڑھ کر امداد کرے کیونکہ ان کی حالت بد سے بدتر ہوتی چلی جا رہی ہے، فلسطینی اتھارٹی کے ملازمین کو تنخواہیں نہیں دی گئی ہیں۔

مولانا مجیب اللہ ندوی جوار رحمت میں

علمی حلقے میں یہ خبر بڑے درد کے ساتھ پڑھی جائے گی، کہ ندوۃ العلماء لکھنؤ کے مایۂ ناز فرزند، علمی دنیا کی مایۂ ناز ہستی، ایک درجن سے زائد کتابوں کے مصنف اور عوام وخواص میں یکساں مقبول، مولانا مجیب اللہ ندوی ۱۲/مئی ۲۰۰۶ء کو اس دنیائے فانی سے رخصت فرما گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون

مولانا موصوف ایک باصلاحیت عالم، باذوق ادیب اور گوناگوں خصوصیات اور خوبیوں کے مالک تھے، موصوف بیک وقت صاحب قلم بھی تھے اور مرد میدان بھی، ملکی اور بین الاقوامی حالات ومسائل سے بھی خاصی دلچسپی رکھتے تھے، موصوف نے دارالعلوم ندوۃ العلماء سے فراغت کے بعد اپنی علمی زندگی کا آغاز دارالمصنفین اعظم گڈھ سے کیا، پھر اعظم گڈھ ہی میں جامعۃ الرشاد کے نام سے ایک ادارہ قائم کر کے، اپنی زندگی کے آخری لمحے تک اس سے وابستہ رہے، اسی دوران انھوں نے ''الرشاد'' نام سے ایک رسالہ بھی جاری کیا جو ان کی انتھک محنت اور مسلسل جدوجہد کے سبب ایک مختصر سی مدت میں اپنی انفرادی شناخت بنانے میں کامیاب رہا اور آج دن بدن ترقی کی طرف رواں دواں ہے، مولانا موصوف کو جنت الفردوس میں اعلی مقام عطا فرمائے۔ آمین

مولانا عارف سنبھلی ندوی اللہ کی رحمت میں

دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے قابل قدر استاذ، علماء طبقہ کی مقبولیت ترین شخصیت مولانا محمد عارف سنبھلی کا مورخہ ۹/جون بروز جمعہ ۲۰۰۶ء کو انتقال ہوگیا انا للہ وانا الیہ راجعون۔

موصوف نہایت ہی خلیق، ملنسار اور غیر معمولی علمی صلاحیت کے مالک تھے، دارالعلوم ندوۃ العلماء کے اندران کا درس نہ صرف حد درجہ مقبول تھا بلکہ وہ اپنی لیاقت اور صلاحیت کے سبب علمی حلقے میں بھی قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے، موصوف کو اللہ رب العزت نے بلا کی ذکاوت اور تحریری وتقریری صلاحیت بخشی تھی، جس کی وجہ سے وہ عوام میں خاصے مقبول تھے، رد بدعت پر ان کو خاص ملکہ تھا، ان کی چند کتابیں بھی ہیں جو مولانا موصوف کی علمی صلاحیت اور فنی قابلیت پر گواہ ہیں، اللہ رب العزت ان کو کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے۔